Nov
2024

رائے بریلی

ماہنامہ

پیام عرفات

آج وہ کل ہماری باری ہے

”عالم اسلام جس کے مما لک کو ہم آزاد سمجھتے رہے ہیں، دراصل آزاد نہیں ہیں۔ ہر ملک کسی نہ کسی بڑی طاقت سے وابستہ ہے، لیکن زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ وفاداری کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے جو غیرت وحمیت کے خلاف بلکہ ملکی وذاتی مصالح کے بھی خلاف ثابت ہوتی رہتی ہے۔ فلسطینیوں کو ختم کرنے کے بعد قریب کے ملکوں کی سلامتی کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے، یکے بعد دیگرے زد میں آسکتے ہیں۔“ مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

مسئلہ فلسطین

برطانوی دستاویزات کی روشنی میں

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

’’10/08/1840 کو برطانوی وزیراعظم Palmerston نے ترکی میں تعینات برطانوی سفیر کو ایک خط بھیجا کہ

’’یورپ کے مختلف شہروں میں رہنے والے یہودیوں میں یہ احساس بڑھ گیا ہے کہ اب فلسطین میں اپنا وطن قائم کرنے کا وقت قریب آ گیا ہے اور یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ یورپ کے یہودی بڑے دولت مند ہیں، لہٰذا جب یہودی قوم عثمانی بادشاہ کی سرپرستی اور حمایت میں فلسطین واپس آ جائے گی تو یہ محمد علی اور ان کے جانشینوں کے خطرناک پلان کے نافذ العمل ہونے کے راستے میں رکاوٹ بنیں گے اور ترکی حکومت بھی اس کو مسئلہ فلسطین کے حق میں مفید سمجھتی ہے کہ اس طرح کے ایک معمولی قانون کے ذریعہ وہ بہت سے ملکوں میں اپنے حمایتی اور دوست حاصل کر سکتی ہے۔‘‘

1861ء میں برطانوی قلم کار Thomas Clark نے اپنی کتاب ’’ہندوستان اور فلسطین‘‘ میں لکھا کہ

’’اگر یہودی قوم کو دوبارہ کھڑا کر دیا جائے تو عنقریب بنی اسرائیل میں بیداری اور حرکت پیدا ہو جائے گی اور اس سے سب سے زیادہ فائدہ ہم کو حاصل ہوگا۔ یہ یقین رکھنا چاہیے کہ فلسطین میں یہودی وطن کا قیام از حد ضروری ہے، اگر برطانیہ تجارت کو اپنی ریڑھ کی ہڈی سمجھتا ہے اور اسے معلوم ہے اس کی تجارت تین براعظموں سے ہو کر گذرتی ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ یہودی بنیادی طور پر ساہوکار اور تاجر قوم ہے تو اسے اپنی تجارت کی ترقی اور فروغ کے لیے بنی اسرائیل کو فلسطین میں بسانا انتہائی ضروری ہے، از سر نو انہیں ان کی قومیت اور ان کا ملک واپس کر دیا جائے، کیونکہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو ان سے نہیں چھین سکتی۔‘‘

13/03/1916 کو سابق روسی دار السلطنت Petrograd میں قائم برطانوی سفارت خانہ نے روسی وزیر خارجہ کو ایک خط لکھا تھا جس میں فلسطین میں یہودیوں کے قیام سے متعلق روس کی رائے جاننی چاہی تھی، اس خط میں سر ادوارڈ گری نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ اس وقت برطانیہ کے بادشاہ سلامت فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری پر بھرپور توجہ دے رہے ہیں، خط میں پیش کیا گیا نقطۂ نظر اگر صحیح ہے تو صہیونیت کے ذریعہ اہم سیاسی نتائج برآمد ہوں گے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اس طرح مشرق اور امریکہ کے یہودیوں کو اپنے حلیفوں کی طرف لایا جا سکتا ہے۔

20/04/1920 کو جب دوست ممالک کی کونسل نے فلسطین میں برطانوی مینڈیٹ کو منظوری دے دی تو اس وقت شاہ برطانیہ نے یہودیوں کے نام ایک پیغام میں کہا کہ ’’تمام دوست ملکوں نے یہ فیصلہ اور عہد کر لیا ہے کہ تدریجی طور پر فلسطین میں یہودی وطن کے قیام کو یقینی بنایا جائے گا۔‘‘

(مسئلہ فلسطین-سامراج اور عالم اسلام: ۳۰-۳۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۶ — نومبر ۲۰۲۴ء - جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ — شمارہ: ۱۱

راہِ خدا میں ایک تیر کی فضیلت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"مَنْ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهُ عَدْلُ مُحَرَّرٍ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر بھی مارا تو وہ (ثواب کے لحاظ سے) ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔)

(جامع الترمذی: ۱٦۳۸)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں (اداریہ)..........................۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی..

ہمت شکن حالات اور فتح وظفر مندی کی کلید.....................۴
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ.........................

قضیہ فلسطین کا پس منظر...۶
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ..............................

غزہ کے تئیں ہماری ذمہ داری.......................................۸
مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی.......................................

خونِ شہیداں انشاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گا..................۱۰
مفتی راشد حسین ندوی..

مردِ میداں- یحیٰ سنوار..۱۲
مولانا فیصل احمد بھٹکلی ندوی.......................................

شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مؤمن.................................۱۳
مولانا محمد سلمان بجنوری ندوی.....................................

مسئلہ فلسطین کا دینی وتاریخی پس منظر...........................۱۴
محمد نجم الدین ندوی...

وبالِ دوش ہے سر جسم ناتواں پہ مگر................................۱۶
مولانا محمد طارق بدایونی..

منزل کی جستجو ہے تو جاری رہے سفر..............................۱۷
محمد ارمغان بدایونی ندوی...

کیا حماس کا اقدام خودکشی کے مرادف تھا؟.......................۱۹
محمد نفیس خاں ندوی...

شہید یحییٰ سنوار کا پیغام امت کے نام

نتیجۂ فکر:- محمد زاہد حسین ندوی جمشید پوری

مرتے مرتے کسی سے سودے کو گوارا نہ کیا
جز خدا کے کبھی غیروں کو اشارہ نہ کیا
جیتے جی بس یہی چاہا کہ ترا کام کروں
تیری بخشی ہوئی ہستی کو ترے نام کروں

ابتدا خیمے سے کی
جیل کی کلفت جھیلی
پھر مقابل ہوا پتھر سے
سرنگیں کاٹیں
دل میں اک شوقِ شہادت تھا
وہ کام آ ہی گیا
سر میں سودا جو سمایا تھا
عصا بن ہی گیا

اے مری مسجد اقصیٰ ومرے پاک وطن
تیری حرمت کی ہی خاطر مرا لاشہ یہ کفن

مرے جاں بازو!
مرے شیرو جیالو!
سن لو!
لیس ہتھیار سے، ہر لحہ زرہ پوش رہو
عزم فاروق رکھو
جذبہ ایوبی بھی
فتح مبیں فتح مبیں آئے گی

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں

غزہ میں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے، تاریخ انسانی کی پیشانی پر وہ ایک انتہائی بدنما داغ ہے، اب اس کی آگ دوسرے ملکوں تک پھیل چکی ہے، صرفِ نظر اس کے کہ مسئلہ کیا ہے؟ غور کیا جائے تو پوری انسانی تاریخ میں ظلم وستم کی ایسی بھیانک داستانیں شاید آنکھوں نے نہ دیکھی ہوں، وہ بھی جمہوریت کے اس دور میں۔ یقیناً ملوکیت وبادشاہت کے زمانے میں بہت کچھ ہوا ہے، اسپین میں ''فریڈنڈ'' نے پانچ لاکھ لوگوں کو زندہ جلا دیا، پھر عالمی جنگوں میں کروڑوں لوگ موت کی گھاٹ اتر گئے، لیکن اس جنگ میں جس طرح بچوں اور عورتوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا گیا، جسموں کے پرخچے اڑا دیے گئے، اسپتالوں اور رفاہی اداروں پر بم باری کی گئی، اس کی مثالیں مشکل سے ملیں گی، پھر طرفہ یہ کہ دہشت گردی کے خلاف آواز اٹھانے والوں بلکہ اس کے علمبردار سمجھے جانے والوں نے دہشت گردی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے۔

افسوس ہے ان عرب ملکوں پر جو برسرِ عام نہ سہی درد پردہ بہت کچھ کر سکتے تھے، وہ عیش وطرب کی مجلسیں سجا رہے ہیں، ایک طرف ان کے بھائی بند دانے دانے کو محتاج ہیں، تو دوسری طرف رقص وسرود کا بازار گرم ہے، فلموں کی دنیا بسائی جا رہی ہے۔ فإلیٰ اللّٰہ المشتکیٰ وھو المستعان!

یہودیوں کی شاطرانہ چالوں کو شاید دنیا بھولتی جا رہی ہے، دنیائے انسانیت کے لیے وہ کبھی بھی کسی ناسور سے کم نہیں رہے، دنیا کے مختلف ملک جب ان سے عاجز ہوئے تو ان کو فلسطین میں لا کر مسلمانوں کے سر تھوپ دیا گیا، امریکہ آج ان کی غلامی کر رہا ہے اور اس کے پہلے قانون ساز نے جو کچھ کہا تھا وہ ایک حقیقت کی شکل میں سامنے ہے کہ اگر یہاں یہود آباد ہوئے تو وہ دن دور نہیں کہ یہاں کے لوگ ان کی غلامی کریں گے۔

یہودی پروٹوکول سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ساری دنیا کو اپنا غلام سمجھتے رہے ہیں اور اسی لیے ہمیشہ انہوں نے ایسی تدابیر اختیار کیں جن کے نتیجہ میں لوگوں کی صلاحیتیں معطل ہو جائیں اور دماغ شل ہو جائیں، افسوس ہے ان انسانوں پر جو انسانیت کی ڈگر بھول گئے اور خود غرضی کی آگ آج نہیں تو کل خود ان کو کھانے کے لیے تیار ہے۔

دنیا کو ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے، جو آگ بھڑکائی گئی ہے، اگر اس کو ٹھنڈا نہ کیا گیا اور انسانیت کی کھیتی اسی طرح جھلستی رہی تو آنے والا کل انتہائی خوف ناک ہوگا، امن وشانتی کا سبق پڑھانے والوں کو اپنی آستین میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس کے لیے گڑھا کھود رہے ہیں، کل اسی گڑھے میں خود ان کو نہ گرنا پڑے، پھر کوئی پرسانِ حال نہ رہے۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں — ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

ہمت شکن حالات اور فتح وظفر مندی کی کلید

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آج ہم مسلمانوں اور عربوں کو چاہیے کہ ہم اس اخلاقی جرأت اور عالی ہمتی کے ساتھ جو ہماری تاریخی روایات کے عین مطابق ہے اپنا سفر نئے سرے سے شروع کریں۔

ہم کو اب ہمت کر کے اس کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ ظلم کا انجام بہرحال برا ہے اور جس راستے کو عالم عربی کی آمرانہ اور اشترا کی حکومتوں نے اپنے لیے پسند کیا ہے وہ ملک ونسل دونوں کے لیے تباہ کن ہے، وہ نہ اسلام سے میل کھاتا ہے، نہ انسانیت سے، نہ حقیقی آزادی سے اس کا تعلق ہے، نہ جمہوریت ومساوات سے!

ہم کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ کسی قائد یا امیر کی اندھی اور مطلق تقلید اور خیر وشر اور گناہ وثواب ہر چیز میں اس کی فرماں برداری بلکہ ناز برداری اس کو اپنی عقل، اپنی روح اور اپنے دل ودماغ پر معبودوں اور بتوں کی طرح مسلط کر لینا اور اس کے کسی تصرف پر اس سے کوئی محاسبہ نہ کرنا بلکہ اس کو کھلی چھوٹ دے دینا ملک اور اہل ملک دونوں پر ایسی مصیبت لا سکتا ہے جس کا اندازہ بھی ہمارے لیے مشکل ہے۔

ہمیں جرأت کے ساتھ اعتراف کرنا ہوگا کہ عربوں کو اپنے قدیم وابدی دین (اسلام) پر نئے سرے سے ایمان لانے کی ضرورت ہے، ان کو اپنے نشاط وزندگی کے سرچشمہ عزت وسربلندی کے راز اور اپنی فتح وظفرمندی کی کلید یعنی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب الہاشمی القرشی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات گرامی سے اس عشق وشیفتگی کی ضرورت ہے، جو ان کے قلب وجگر میں اتر جائے اور ریشہ ریشہ میں سما جائے، اس لیے کہ عربوں، ترکوں اور ساری دنیا کے مسلمانوں کی حیات اور عزت وآبرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی دعوت، لازوال امامت وقیادت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سنت کے ساتھ مربوط ووابستہ ہے۔

ہمیں اس حقیقت کو بھی مان لینا چاہیے کہ مسلمانوں اور عربوں کو وہ غیر ملکی طاقتیں اور سیاسی مصلحتیں جو ہوا کے ساتھ چلتی ہیں اور اپنی اغراض وفوائد کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں، ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں، اس لیے ان کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے اور مانگے کی طاقت کے بجائے اپنے ایمان ویقین، اپنے اخلاق وکردار، اپنی خصوصیات وصفات اور قوت اور زور بازو سے کام لینا چاہیے۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم سب شخصی اور جماعتی طور پر پوری خود شکنی اور انابت کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اجتماعی طور پر اس کے سامنے سچی توبہ کریں اور ہر خارجی قوت اور بیرونی مدد اور ظاہری سہاروں سے اپنی برأت کا اظہار کریں اور اس پر پورا ایمان لائیں کہ اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔

ہمارا حال ان لوگوں کی طرح نہ ہونا چاہیے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾(الأنعام: ٤٣)

(جب ان پر ہمارا عذاب نازل ہوا تو وہ کیوں گڑگڑا کے ہماری طرف رجوع نہ ہوئے بلکہ ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال بد کو ان کے لیے مزین کر دیا۔)

بلکہ ہمارا حال ان لوگوں سے مشابہ ہونا چاہیے جن کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾(التوبة: ١١٨)

(جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور انہوں نے یقین کے ساتھ سمجھ لیا کہ اللہ کی مار سے پناہ بس اللہ ہی کے دامن رحمت میں مل سکتی ہے (تو وہ خدا کے حضور میں گڑگڑائے) پھر اللہ نے ان پر عنایت فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی اللہ ہی کی طرف رجوع کریں، اللہ تعالیٰ بڑا عنایت فرما اور بڑا مہربان ہے۔)

اجتماعی اور سچی توبہ حالات کو بدلنے اور خدا کی رحمت کو جوش میں لانے کے لیے عجیب وغریب تاثیر رکھتی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ہود علیہ السلام کی زبان سے یہ ارشاد ہوا ہے:

﴿وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُواْ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُواْ إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاء عَلَيْكُم مِّدْرَاراً وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلاَ تَتَوَلَّوْاْ مُجْرِمِينَ﴾ (هود: ٥٢)

(اور اے میری قوم کے لوگو! اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اس کی طرف رجوع ہوجاؤ، وہ تمہارے لیے بھرپور بارش نازل فرمائے گا (جس سے تمہاری غذائی مشکلات دور ہوں گی) اور وہ تمہاری قوت کو اپنی غیبی قوت اس کے ساتھ شامل کر کے بڑھا دے گا اور دیکھو مجرم بن کر اس سے روگردانی نہ کرو۔)

ہم کو اب اللہ کے ساتھ اور اس کے بندوں کے ساتھ اپنا معاملہ درست کرنا چاہیے اور جو قوتیں اور وسائل اللہ نے ہم کو دیے ہیں، اس کا صحیح اور جائز استعمال کرنا چاہیے، ہمیں چاہیے کہ اللہ سے جنگ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی سے باز آئیں اور اس کی شریعت وقانون کی مخالفت ترک کردیں اور اسلام میں اپنے پورے وجود اور پوری شخصیت کے ساتھ داخل ہوں، کامیابی اور عزت وسرفرازی کے حصول، ظالم حکمرانوں سے خلاصی اور اپنے خطرناک دشمنوں سے نجات کے لیے اس عمل میں جو تاثیر ہے وہ کم چیزوں میں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَأَلَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقاً﴾ (الجن: ١٦) (اور اگر وہ صحیح طریقہ پر قائم رہتے تو ہم ان کو بھرپور سیرابی بخشتے۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ﴾ (الأعراف: ٩٦)

(اور اگر یہ بستیوں والے ایمان اور تقویٰ والی زندگی اختیار کرتے تو ہم ان کے لیے زمین وآسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔)

الغرض ان تاریک اور ہمت شکن حالات کے باوجود مایوسی کی کوئی ضرورت نہیں، تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی عالم عربی کا کوئی ستارہ ڈوبا، دوسرا ستارہ ابھر کر اس کی جگہ آ گیا، جب بھی اس کا کوئی ہیرو پردے کے پیچھے چلا گیا، کسی دوسرے لیڈر اور قائد نے اس کی جگہ سنبھال لی، اس لیے کہ اللہ کو اس کی ذلت ورسوائی گوارا نہیں، اس کی ذلت تمام مسلمانوں کی ذلت ہے اور اس کی رسوائی دشمنوں کی شماتت اور جگ ہنسائی ہے، اس کو گرد وغبار جھاڑ کر نئے سرے سے اپنے سفر کا آغاز کرنا چاہیے اور اپنے اصل مقام اور ان صفات وخصوصیات کی طرف پھر واپس لوٹنا چاہیے جس پر ہماری آئندہ کامیابی کا دارومدار اور نصرتِ الٰہی کا انحصار ہے:

﴿وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ☆ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ (آل عمران: ١٣٩-١٤٠)

(اور ہمت نہ ہارو اور رنج نہ کرو اور انجام کار تم ہی سربلند ہوگے، اگر سچے مومن ہو، اگر اس جنگ میں تم پر چوٹ پڑی ہے تو دشمن قوم پر بھی ایسی چوٹ پڑ چکی ہے اور ہم زمانہ کی تاریخ کو اسی طرح ادلتے بدلتے رہتے ہیں یعنی کبھی کسی کو فتح کبھی کسی کو شکست اور اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔)

قضیہ فلسطین کا پس منظر

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

ارض فلسطین ہمارے لیے کوئی نئی جگہ نہیں ہے کہ ہم اس کے ساتھ اپنا تعلق بتانے کے محتاج ہوں، یا ہم اس سے اس قدر غافل ہوں کہ اس کو سمجھنا چاہیں۔ صدیوں مسلمان حکومتوں کو اس مبارک جگہ کی حفاظت کرنے کا شرف حاصل رہا ہے اور یہ بات یقیناً قابل صد افتخار ہے۔ مسلمانوں سے قبل اس جگہ کے دعویدار یہودی، عیسائی رہ چکے ہیں، یہاں انہوں نے صدیوں حکومتیں کیں، لیکن مسلمان قوم جب دنیا میں آئی تو اس کا آنا ہی گویا اعلان تھا کہ اب اللہ کے گھروں کے پاسبان اللہ کے مطیع وفرماں بردار بندے ہی ہو سکتے ہیں، بڑے بڑے باطل پرست ان کے لیے راستہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور مسلمانوں نے زمام حکومت سنبھالی اور اس مرکز اسلام کی حفاظت اور پاسبانی کو اپنا وطیرہ بنایا۔ لیکن یہود ونصاریٰ مسلمانوں کی تولیت سے راضی نہ تھے، برابر کوشاں رہے کہ ان کے ناپاک قدم پھر اس بابرکت زمین میں پہنچ جائیں، لیکن مسلمان سلاطین نے ان کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ آخری دور میں نصاریٰ مسلمانوں کی شکست سے مایوس اور یہود دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے۔

ادھر عام بے دینی اور الحاد نے جب یورپ کو زیروزبر کر دیا اور یہودی قوم پورے یورپ میں مقہور وذلیل سمجھی جانے لگی اور بعض حکومتوں (مثلاً: پولینڈ، آسٹریلیا، جرمنی اور زمانۂ قیصریت کا روس) نے تو یہودیوں کے لیے زمین تنگ کر دی۔ غیر مسلم دنیا میں مسائل اب دینی ومذہبی نہیں رہے، بلکہ سیاسی اور مادی مقاصد کے حصول تک محدود رہ گئے، ایسے حالات میں بھی جو یہودی فلسطین میں رہتے تھے وہ دوسرے غیر مسلموں کی طرح مسلم حکومتوں کی امان میں آرام وآسائش کی زندگی گذارتے رہے، ان کی تعداد پچھلی صدی تک فلسطین میں ۸؍ ہزار سے زیادہ نہ تھی، اسی تعداد سے جس کا ملک میں کوئی وزن محسوس نہیں کیا جاسکتا تھا، مسلمانوں کو دھوکہ ہوا، یہ ان کی حسن نیتی تھی کہ دوسری قوموں سے اچھا معاملہ کر کے یہ سمجھتے رہے کہ ان کی طرح دوسری قومیں بھی ان کے حق میں شرافت کا ثبوت دے سکتی ہیں اور یہودی بھی احسان شناس ہو سکتے ہیں۔

بہر حال یہودی جب کہ تمام دنیا میں مصیبت وعداوت کا شکار ہو رہے تھے، فلسطین میں مسلمانوں کے دامن حکومت میں آرام کی زندگی بسر کرتے تھے، ان یہودیوں کے لیے جب یورپ کی زمین تنگ ہونے لگی تو انہوں نے اپنے قومی مسئلہ پر غور کرنا شروع کیا اور اس غور وفکر کا سبب وہ کتاب تھی جو ایک یہودی مصنف برتھیوڈ ہرٹزل نے ۱۸۹۵ء میں تصنیف کی اور پھر یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا کہ دنیا میں ایک ایسی جگہ ہونی چاہیے جو یہودیوں کا قومی وطن بن سکے اور وہ وہاں امن سے رہ سکیں اور جہاں بھی یہودی ستائے جائیں اس وطن میں منتقل ہو جایا کریں۔ اس مقصد کے لیے اس شخص نے انتھک جدوجہد کی اور کانفرنسوں پر کانفرنسیں کر کے یہودی شعور بیدار کیا، اس نے دنیا کی مختلف حکومتوں سے امداد واعانت کا مطالبہ کیا اور ۱۸۹۷ء سے ۱۹۱۱ء تک دس کانفرنسیں کروائیں۔

پہلی کانفرنس بازل (سوئزرلینڈ) میں ہوئی، اس میں جو تجاویز طے کی گئیں تھیں، ان میں سے چند یہ تھیں: فلسطین میں نوآبادیاتی نظام کا زراعتی وصنعتی اور تجارتی کاموں میں اجراء کیا جائے، یہودی عنصر کی تنظیم کی جائے اور ان کے آپس کے روابط مضبوط کیے جائیں تاکہ وہ مقامی اور عالمی ادارے قائم کر سکیں، قومی شعور پیدا کیا جائے، عبرانی زبان کی تعلیم دی جائے، مدرسے قائم کیے جائیں اور

اقتصادی ترقی کے لیے فنڈ کھولا جائے، مال وسرمایہ مہیا کر کے بڑی بڑی اسکیمیں چلائی جائیں اور صہیونی تحریک کی غرض اس وقت یہ متعین کی گئی تھی کہ یہ فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کو معرض وجود میں لانے کی کوشش ہے، یہ وطن ساری حکومتوں کی طرف سے محفوظ و مامون ہوگا اور عالمی طور پر تسلیم شدہ ہوگا۔

ہرٹزل جدوجہد کرتا رہا، یہودیوں کی ایک معقول تعداد نے اس کی معاونت بھی کی، اس نے سلطان عبدالحمید والی ترکی سے بھی اقامت وطن کے لیے گفتگو کی اور ان کو اچھا خاصہ مادی معاوضہ دینے کا وعدہ کیا، لیکن سلطان موصوف سے معاملہ طے نہ ہوسکا اور اسی اثناء میں انگریزوں نے لارڈ کرومر کے ذریعہ جزیرہ نمائے سینا کی پیشکش کی اور ۱۹۰۳ء میں ایک تحقیقاتی وفد جزیرہ نمائے سینا گیا، جس نے واپس آکر زمین کی عمرانی صلاحیتوں کے بارے میں مایوس کن رپورٹ پیش کی جس پر یہ تجویز ختم ہوگئی۔

چیمبرلین نے اسی سال مشرقی افریقہ میں ایک وسیع رقبے کی پیشکش کی، جس کو ۱۹۰۵ء کی یہودی کانفرنس نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ بیت المقدس سے اس علاقہ کو کوئی واسطہ نہیں اور ہم بیت المقدس چاہتے ہیں۔ ۱۹۰۴ء میں برتھیوڈ ہرٹزل مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد وطن قائم کرنے کی جدوجہد سرد پڑ گئی اور اس میں وہ سابقہ زور اور قوت باقی نہ رہ سکی، پہلی جنگ عظیم سے قبل تک ان کوششوں کو صرف ایک آرزو اور تمنا کہا جاسکتا تھا اور فلسطین میں یہودی قوت کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک نہایت کمزور تناسب کے علاوہ دوسرا درجہ نہیں دیا جاسکتا تھا، پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی اور ترکی حکومت نے جو سارے عالم عربی پر حکومت کر رہی تھی، جرمنی کا ساتھ دے دیا، دونوں ملکوں نے اتحادیوں کے مقابلہ میں شکست کھائی اور برطانیہ، فرانس واٹلی نے سارے عرب کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ عرب ممالک میں یہودیوں کے سرپرست برطانیہ کو جب تصرف کرنے کا موقع ملا تو یہودی قوم نے ایک نیا لیڈر راگلا، یہ شخص ڈاکٹر حاتم ویزنان مانچسٹر یونیورسٹی کا پروفیسر تھا، اس نے جنگ کے بعد مہلک ہتھیار ایجاد کر کے برطانیہ کی نظروں میں اپنا مقام بنا لیا تھا، اس کا شکریہ برطانیہ کو بہر حال ادا کرنا تھا اور بالآخر ۱۹۱۷ء میں برطانی وزیر خارجہ نے اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ یہودیوں کے لیے ایک وطن قائم کرنا ضروری سمجھتی ہے اور وہ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے میں کوتاہی نہ کرے گی۔

ادھر فلسطین برطانی اقتدار میں آ گیا تھا، ادھر یہودیوں کا مطالبہ تھا کہ فلسطین کے اندر ان کا مطلوبہ وطن بنایا جائے اور پھر برطانیہ سے ایسا کہا جانا مشکل تھا کہ فلسطین کی آبادی کو علی الاعلان مجبور کر کے ان کے شہر اور آبادیاں یہودیوں کا مسکن بنا دی جائیں۔ یہ علی الاعلان ایک قوم کی اچھی خاصی آبادی کو قتل کر دینے کے مرادف تھا، اس لیے برطانیہ نے خاموش طریقہ سے مسلمانوں کو قانون کے ذریعہ تنگ کرنا اور یہودیوں کو مراعات دینا اور فلسطین کی طرف سارے عالم سے یہودیوں کی ہجرت کو مرغوب بنا کر پیش کرنا، مسلمان زمین داروں، کاشت کاروں، صناعوں کو ٹیکسوں اور سخت اور تکلیف دہ قوانین سے زیر بار کرنا اور یہودیوں کو انہی گنجائشوں سے اپنے کاروبار، جائداد بڑھانے پھیلانے اور قدم جمانے کا موقع مہیا کرنا اختیار کیا۔ اس طرح یہودی آبادی بڑھتی گئی اور عربوں کے لیے فلسطین کی زمین بھاری ہوتی چلی گئی۔

جب یہ جبر وتشدد کی جدوجہد کھلے طور پر محسوس کی جانے لگی تو عربوں نے احتجاج کیا، عرب حکومتوں کی دہائی دی، لیکن عرب حکومتیں کچھ نہ کرسکیں، وہ سب انگریزوں کے زیر اقتدار تھیں، وعدہ کرتی تھیں لیکن اگلا قدم کوئی نہ اٹھاتا تھا، بالآخر جب فلسطینی عربوں کو عرب حکومتوں سے مایوسی ہوئی تو انہوں نے جو کچھ اسلحہ اکٹھا ہوسکے ان سے یہودیوں کا مقابلہ اور اپنی قومی بقا کے لیے جدوجہد شروع کردی، اس کے نتیجہ میں مسلح جھڑپیں ہوئیں، جس پر انگریزوں نے اصلاح اور قیام امن کے نام پر عرب قائدین کو حراست میں لے لیا اور کوشش کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں اور یہودیوں کے ساتھ رعایت کرتے رہے۔

(عالم اسلام اور سامراجی نظام: ۱۱۹-۱۲۳)

غزہ کے تئیں ہماری ذمہ داری

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

ایک صدی قبل ۱۹۰۰ء میں یہودی ''قرہ صو'' سلطان عبدالحمید ثانی کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ وہ صہیونی تنظیم کو ''یافا'' اور ''غزہ'' کے درمیان کی زمین دے دیں اور اس کے بدلہ میں پانچ لاکھ عثمانی سونے کے سکے ان کو دیے جائیں گے اور بیس لاکھ سکے سرکاری خزانے میں دیے جائیں گے۔ یہ سننا تھا کہ سلطان کو غصہ آگیا اور اس یہودی کو اسی وقت محل سے نکال دیا، حالانکہ اس وقت ان کو شدید مالی بحران کا سامنا تھا۔

اس واقعہ سے ۴ رسال قبل ۱۸۹۶ء میں سلطان عبدالحمید نے ہرٹزل یہودی کو جواب دیا تھا کہ ''یہود چاہے لاکھوں کی رقم جمع کرلیں، وہ فلسطین کی زمین کا ایک ٹکڑا بھی حاصل نہیں کر سکتے، ہم مرتے دم تک کسی بھی قیمت پر راضی نہیں ہو سکتے کہ فلسطین کی زمین کا ایک معمولی ٹکڑا بھی ان کو دیا جائے۔''

وہ وقت بھی کتنا اندوہ ناک اور سخت تھا جب سلطان عبدالحمید کو معزولی کی خبر سنائی گئی اور اس میں وہ شخص بھی تھا جس کو سلطان نے اپنے محل سے نکالا تھا، جبکہ وہ ترک پارلیمنٹ کا ممبر تھا۔ یہودی قوم کی مکاری اور مسلمانوں کی سادہ لوحی کو صاف محسوس کیا جاسکتا ہے، شاہ فیصل کے ساتھ کیا ہوا؟ کیا ان کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کو بھلا دیا گیا؟ انہوں نے امریکہ کو دھمکی دی تھی کہ ہم تیل کے کنوؤں کو آگ لگا دیں گے اور اونٹوں اور خیموں کی زندگیوں میں واپس چلے جائیں گے؛ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد ان کے بھتیجے کے ہاتھوں مہمانوں کے استقبال کے دوران ان کو شہید کرا دیا گیا۔

سابق پاکستانی صدر جنرل ضیاء الحق کے ساتھ کیا ہوا؟ ہوائی جہاز گرا کر ان کو شہید کر دیا گیا اور اس میں سابق پاکستانی صدر کے علاوہ فوج کے کئی اہم جنرل بھی تھے اور اہم امریکی اہلکار بھی، پس منظر سب کو معلوم ہے۔

کتنی جلدی حالات بدلے اور اس پاک سرزمین میں جس میں قبلہ اولیٰ ہے، ایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے اس خطہ کا نقشہ بدل دیا، دنیا کی سیاست بدل دی، قدریں بدل گئیں، معیار زندگی بدل گیا، نظریات بدلے، رجحانات بدلے اور یہود نے اپنا اثر ورسوخ بڑھایا، اپنا تسلط قائم کیا اور اس کے لیے طرح طرح کے وسائل اختیار کیے:

۱- بڑے ملکوں میں شائع ہونے والے اخبارات کی مالی مدد کی تاکہ وہ صہیونی فکر کو عام کریں اور فلسطین میں صہیونی حکومت کے قیام کی راہ ہموار کریں اور یورپی رائے عامہ کو تیار کریں۔

۲- خطیر رقمیں دے کر کھیتی کے نام پر زمینیں لی گئیں اور ان پر کارخانے اور کالونیاں بنائی گئیں۔

۳- فلسطینیوں کو ملک بدر کیا گیا اور ان کو پڑوسی عرب ممالک میں بسایا گیا تاکہ فلسطین کو مسلمانوں سے خالی کرایا جائے جو یہاں کے اصل باشندے ہیں اور عرب ممالک نے جس گرم جوشی سے ان کو اپنے ہاں جگہ دی' ایسا لگا کہ سب سے بڑے ہمدرد اور مددگار ہیں لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ مدد سچی نہیں تھی، یہ ایک یہودی سازش تھی جو مقدس سرزمین کو خالی کرانے کے لیے رچی گئی اور اس کا شکار مسلمان آسانی سے ہو گئے۔ اس طرح یہود نے بالادستی قائم کرلی۔

۴- یہودیوں نے کثرت سے فلسطین کی طرف ہجرت کی

اور یہاں آباد ہو گئے۔

کیا یہ نہیں ہوا کہ مسلمانوں نے فلسطین سے ہجرت کی اور یہود نے فلسطین میں پناہ لی؟ کیا عالم عربی کے حکمرانوں نے ان فلسطینیوں کے لیے اپنے دروازے نہیں کھولے؟ کیا جانے یا انجانے میں صہیونیوں کی مدد نہیں کی گئی؟ اس طرح صہیونی منصوبہ پورا ہوا۔

خود اپنوں نے صہیونیوں کی مدد کی، بعض اوقات رفح باڑر بند کر کے ان کی مدد کی گئی، مجاہدین کو ان تک پہنچنے سے روکا گیا، ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، یہودیوں سے معاہدے کیے گئے اور ان کے لیے راستے کھولے گئے، ان سے سفارتی تعلقات قائم کیے گئے، ان کے مصنوعات اور تجارتی سامان کی آمد ورفت جاری کی گئی اور اس کے عوض میں خطیر رقمیں حاصل کی گئیں اور ان رقموں کے ذریعہ بھاری بھاری ہتھیار خرید کر ان کی مدد کی، حکمرانوں نے اپنے مذہب اور اپنی قوم کے ساتھ غداری کی، بلکہ اپنے آپ سے غداری کی اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے اپنی زمین کھودی۔

آج ہم نے معصوم اور پرامن شہریوں پر بموں سے بارش کرنے والے اسرائیلی جنگجوؤں اور بم پھینکنے والوں سے اپنی آنکھیں بند کر لیں، ان ٹینکوں سے منھ موڑ لیا جو ان معصوم اور نہتے بچوں کو جو اپنے بیگ اٹھائے اسکول جاتے ہیں، روندرہے ہیں، ہمارے کانوں میں عورتوں کی چیخیں، بچوں کا رونا اور بلکنا، بوڑھوں کی آہیں اور صہیونی جیلوں میں بند مسلمانوں کی کراہیں سنائی نہیں دیتیں۔

فلسطینی بھائیوں کے لیے خاص کر غزہ میں رہنے والے مسلمانوں کے قتل عام پر ہم جوشیلی تقریریں اور چند رسمی بیانات دے دیتے ہیں یا کہیں کوئی اجلاس منعقد ہو جاتا ہے اور قرار دادیں پاس ہو جاتی ہیں۔

وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم اپنے حالات بدلیں، دشمن پر دباؤ ڈالیں، اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کریں، عام مسلمانوں کا الگ مسئلہ ہے، ان کے پاس کوئی چارہ نہیں سوائے اس کہ وہ مذمت کریں، احتجاج کریں، مظاہرے کریں، بیانات دیں اور اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں، لیکن جہاں تک حکومتوں کا مسئلہ ہے ان کو چاہیے کہ ہر ممکن حربہ استعمال کریں اور واضح موقف اپنائیں اور عالمی طاقتوں تک آواز اٹھائیں اور پوری قوت سے مجرم صہیونی حکومت پر دباؤ ڈالیں۔ کم سے کم اتنا تو قبلہ اولیٰ اور بیت المقدس کی حفاظت کے لیے ہم پر واجب اور ضروری ہے۔

(ترجمانی:-محمد امین حسنی ندوی)

مایوسی کی کوئی ضرورت نہیں

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

”میں حیران ہوں کہ آج مسلمان مایوس ہو رہے ہیں، حالانکہ میں تو کفر و مایوسی کے تصور سے کانپ جاتا ہوں، کیوں کہ یقین کرتا ہوں کہ مایوس ہونا اس خدائے ذوالجلال والاکرام کی شان رحمت و ربوبیت کے لیے سب سے بڑا انسانی کفر اور اس کی جناب میں سب سے زیادہ نسل آدم کی شوخ چشمی ہے، تم جوان بربادیوں اور شکستوں کے بعد مایوس ہو رہے ہو تو بتلاؤ کہ تم نے خدائے اسلام کی قوت و رحمت کو کس پیمانہ سے ناپا؟ وہ کون سا کاہن ابلیس ہے جس نے خدا کے خزانہ رحمت کو دیکھ کر تمہیں بتلا دیا ہے کہ اب اس میں تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔“ (قرآن کا قانون عروج وزوال:۱۱۸)

خون شہیداں ان شاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گا

مفتی راشد حسین ندوی

گذشتہ سال اکتوبر میں حماس کی قیادت نے اسرائیل پر حملہ کیا، اس حملہ کی بھنک بھی اسرائیل کو نہ لگی، اس کو اپنی خفیہ ایجنسیوں پر بڑا ناز تھا اور اس نے پروپیگنڈہ کچھ ایسا کر رکھا تھا کہ فلسطین تو ایک طرف، آس پاس کے ممالک میں کسی درخت کا پتہ بھی ہلتا ہے تو اس کو پتہ چل جاتا ہے اور اس کو آس پاس کے ممالک پر ایسی فوجی برتری حاصل ہے کہ وہ پلک جھپکتے اسرائیل پر بری نگاہ ڈالنے والے کی آنکھ پھوڑ سکتا ہے، لیکن سلام ہو فلسطین کے جاں بازوں پر، انہوں نے کچھ اس ادا سے دھاوا بولا اور اس انداز سے یلغار کی، جس نے قرنِ اول کے جاں بازوں کی یاد دلادی۔ ان کی جرأت و ہمت نے اس غبارے کی ہوا نکال دی جو اسرائیل کے جھوٹے پروپیگنڈے سے ہمالیہ لگ رہا تھا، ہوا نکلتے ہی وہ اپنے اصلی سائز پر آ گیا، اسرائیل کی فوجی برتری کے جو قصے پڑوس کے بزدل حکمرانوں کے لیے ڈراؤنے خواب بنے ہوئے تھے، چشم زدن میں وہ فسانہ لگنے لگے۔

آج پوری دنیا یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اگر اسرائیل کو امریکہ اور یورپ کی کھلی ہوئی پشت پناہی نہ ہوتی اور اسلامی ممالک چوڑیاں پہن کے نہ بیٹھتے، اگر جنگ میں ساتھ نہیں دے سکتے تھے نہ دیتے، فوجی ساز وسامان بھی مہیا نہ کرتے، صرف خفیہ طور سے اسرائیل کی مدد کرنا چھوڑ دیتے، صرف فلسطینیوں کی زبانی ہی سہی کھل کر اور دل سے حمایت کرتے، اسرائیل حماس سے شکست خوردہ ہو کر غزہ کے بچوں، عورتوں اور نہتوں کا جو قتل عام کر رہا ہے، سب مل کر پوری طاقت سے اس کی مذمت کرتے اور اسرائیل کی فوجی ساز وسامان سے مدد کرنے والے یورپ اور امریکہ سے صاف صاف کہتے کہ وہ اپنی دوغلی پالیسیاں بند کریں، ایک طرف وہ انسانی اقدار کی دہائی دیتے نہیں تھکتے، دوسری طرف فلسطینیوں کا کھلے عام قتل کرنے والے اسرائیل کی کھلی مدد بھی کر رہے ہیں، نہ ان کو فلسطینی بچوں، عورتوں اور نہتوں کی چیخ پکار سنائی دے رہی ہے، نہ ان کو اسرائیل کی کھلی درندگی نظر آ رہی ہے، اگر مسلم ممالک صرف اتنی جرأت کر لیتے تو آج صورت حال کچھ اور ہوتی اور حماس و حزب اللہ کے حملوں کے بعد اسرائیل کی معاشی، سیاسی اور فوجی ہر اعتبار سے جو تباہی ہوئی ہے، تصور کریں اگر صرف پڑوسی ممالک ہمت دکھا دیتے تو جنگ کا کچھ اور نقشہ ہوتا۔

بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان کی پالیسیاں ابھی چند دہائیوں پہلے کھل کر فلسطین کی حمایت میں تھیں، سرکاری طور پر آج بھی ہیں، لیکن پہلے کھل کر اسرائیل کی حمایت کرنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے اور آج ملک پر ایک خاص نظریہ کے غلبہ کی وجہ سے پورا گودی میڈیا اسرائیل کا حامی بنا ہوا ہے، جن کو اسرائیل اور فلسطین کی تاریخ کی الف باء سے بھی واقفیت نہیں اور جن کی اپنے محلّہ میں بھی کوئی وقعت نہیں، وہ بڑے کروفر سے ''ہم اسرائیل کے ساتھ کھڑے ہیں'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔ ظاہر ہے اس کی تہہ میں اصل کارفرمائی مسلم دشمنی کی ہے، لہٰذا وہ تو دنیا میں کہیں بھی مسلمانوں پر کوئی ظلم کرنے والا نظر آئے تو اس کے ساتھ کھڑے ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی پریشانی سے ان کو دلی سکون ملتا ہے، خواہ اس میں ان کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو، لیکن بہت سے ایسے صحافی بھی اس معاملہ میں ناواقف اور تاریخی حقائق سے بے خبر نظر آئے جن پر گودی میڈیا کا لیبل نہیں ہے، انہوں نے ۷/ اکتوبر کے حماس کے حملہ کو ایک دہشت گردانہ حملہ قرار دیا اور اس حملہ کو ہر حالت میں ناجائز قرار دیا۔ کاش! انہوں نے اسرائیل اور فلسطین کی تاریخ پڑھی ہوتی اور دیکھتے کہ کس طرح جرمنی سے آنے والے یہودیوں نے فلسطین میں پناہ لی اور پھر اس فلسطین پر آہستہ

آہستہ قبضہ جمالیا، جس کی نوے فیصد سے زیادہ آبادی عربوں کی تھی، ان کو ڈھکیلتے ہوئے غزہ اور مغربی کنارے کے معمولی خطہ میں محصور کردیا اور وہاں بھی لگاتاران پر اذیتوں کا سلسلہ جاری رکھا اور مسلسل توہین کی، کسی کے پورے گھر پر قبضہ کرکے اس کو گھر کے باہر سڑک کنارے رہنے پر مجبور کردیا جائے اور مسلسل اس پر کوڑا بھی ڈال کر ذلیل کیا جائے اور دوسرے لوگ اس کو صبر کی تلقین کریں تو یہ شخص کہاں تک صبر کرے گا؟ اپنے گھر کو حاصل کرنے کے لیے وہ کسی بھی حد تک چلا جائے گا، خواہ اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے، یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل نے کہا تھا کہ ۷/اکتوبر کا حملہ اچانک اور غیر متوقع حملہ نہیں تھا، اسرائیل اس پر ناراض ہوا، لیکن اس نے اپنے جملہ کو واپس نہیں لیا۔

اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ فلسطینیوں کو اگرچہ بہت بڑی تعداد میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا ہے، آج ہمارے یہ بھائی بھوک اور پیاس سے بلبلا رہے ہیں، ظاہری طور پر اسرائیل ان پر حاوی نظر آرہا ہے، لیکن اس جنگ سے اسرائیل کو سیاسی، معاشی اور اخلاقی تمام میدانوں میں شکست فاش ہوئی ہے۔ یورپ اور امریکہ کی مکاریاں طشت از بام ہوئی ہیں، اقوام عالم کی حمایت آہستہ آہستہ اہل فلسطین کو حاصل ہورہی ہے اور ہمارا کامل یقین ہے کہ خون شہیداں رنگ لائے گا اور فتح کا پرچم ان شاء اللہ لہرائے گا اور جس طرح صلاح الدین ایوبی کی شجاعت کی مثالیں دی جاتی ہیں، اس طرح شہید قائدوں کا نام لیا جائے گا۔

ایک تاریخی وصیت

’’میری وصیت ہے کہ تم سدا شہیدوں کے خون کے لیے وفادار رہنا، بلاشبہ وہ گزر گئے اور ہمارے لیے یہ کانٹوں بھری راہ چھوڑ گئے، تاہم انھوں نے اپنے لہو سے ہمارے لیے آزادی کا راستہ ہموار کردیا۔ تم ہرگز سیاست دانوں کے مفادات کی خاطر اور ڈپلومیسی کے کھیلوں میں آکر شہداء کی ان قربانیوں کو رائیگاں نہ جانے دینا۔

تمہارا کام یہ ہے کہ اگلوں نے جو آغاز کیا ہے اسے تکمیل تک پہنچاؤ اور اس راہ سے ذرا بھی نہ ہٹو، چاہے اس کے لیے کتنی ہی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے۔ غزہ استقامت کا مرکز اور فلسطین کا دھڑکتا ہوا دل پہلے بھی تھا اور آئندہ بھی رہے گا، چاہے یہ وسیع وعریض سرزمین ہمارے لیے کتنی ہی تنگ ہوجائے۔

جب میں نے سن 2017ء میں غزہ میں حماس کی قیادت سنبھالی تو وہ محض ایک قیادت کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ مزاحمت کا ایسا تسلسل تھا جس کا آغاز پتھر سے ہوا اور ابھی بھی وہ بندوق سے جاری ہے۔ حصار میں گھری میری قوم کا درد مجھے ہر پل بے چین کرتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ آزادی کی طرف اٹھنے والا ہمارا ہر قدم قیمت چاہتا ہے، لیکن میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ ہار مان لینے کی قیمت اس سے بہت بڑی ہوگی، اس لیے اس زمین سے ٹھیک اسی طرح چمٹے رہو جس طرح جڑیں مٹی سے جڑی رہتی ہیں۔ یاد رکھو! جو قوم زندہ رہنے کا فیصلہ کرلیتی ہے تو بڑے بڑے طوفان بھی اس کے پایۂ ثبات میں تزلزل برپا نہیں کرپاتے ــــــ انصاف کا انتظار مت کرو، بلکہ تم خود انصاف بن جاؤ، اپنے دلوں میں فلسطین کا خواب سجا کر رکھو، زخم کو ہتھیار بنادو اور ہر آنسو کو امید کے چشمے میں بدل دو۔

یہ میری وصیت ہے کہ سرنگوں مت ہونا، اپنے شہیدوں کو نہ بھول جانا اور اس خواب پر کوئی سودا مت کرلینا جو تمہارا ایک حق ہے۔‘‘

(قائد یحییٰ سنوار شہید کی وصیت سے ماخوذ ایک اقتباس)

مردِ میداں
یحییٰ سنوار

مولانا فیصل احمد بھٹکلی ندوی

مجاہد رہنما، بلند نگاہ و عالی حوصلہ، جنگ میں کود پڑنے والے، بہادر سورما، خوددار وغیور، جانباز وسرفروش، پیش قدمی کرنے والے، دلاور، مردِ میداں' ابوابراہیم یحییٰ سنوار کی شہادت کی خبر ہمیں موصول ہوئی' نگاہ نم، چشم تر، دل مغموم وحزین اور قلبِ مطمئن کے ساتھ۔

ہم نے جیسے ہی ان کی موت کی خبر سنی، تو ہمیں ان کے فوت ہوجانے کا سخت صدمہ ہوا، ہم کتنی امید لگائے بیٹھے تھے کہ طوفان الاقصیٰ کی جنگ اس کے قائد سنوار کے ہاتھوں ان کی آنکھوں کے سامنے قریبی فتح مبین کی شکل میں ظاہر ہوگی، لیکن بہرحال ہمیں اُس وعدہ پر تسلی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے چہیتے نبی محمد ﷺ سے فرمایا:

''پھر اگر ہم آپ کو اٹھالیں تو بھی ہم ان (کافروں) سے بدلہ لے کر رہنے والے ہیں، یا اگر ہم آپ کو وہی دکھلا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے تو ہم اس پر بھی قادر ہیں۔'' (آل عمران:۱۴۶)

ہم نے ان کے آخری طرز عمل اور ان کی پُر اثر شہادت کے منظر کو دیکھا تو مارے عزت وسرخ روئی کے ہمارے سر اونچے ہوگئے اور ہمارے فخر ومباہات میں چار چاند لگ گئے۔

یحییٰ سنوار کی شہادت میں ان کور عقلوں کے لیے بھی ایک پیغام ہے جو حماس قائدین کو کوستے ہیں اور ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے ہیں کہ وہ ملک سے باہر داد عیش دے رہے ہیں، یا غزہ کے مخفی ٹھکانوں میں امن و امان سے روپوش ہیں، یا سرنگوں کے نیچے فرار ہیں اور اپنی عوام کو انھوں نے اسرائیلی بمباری اور صہیونی جارحیت کا نشانہ بننے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہمیں ان جوابات میں مزید بصیرت وآگہی حاصل ہوگئی جو ہم ان جاہلوں کو دیتے تھے۔

یہ ہے ان کا جانباز سرفروش قائد یحییٰ سنوار جو ہراول دستہ میں، فوجی وردی میں دشمن سے جھڑپیں کررہا ہے۔ کیا لوگ اخلاص اور وفاداری میں اس سے بڑھ کر کسی اور چیز کے منتظر ہیں؟ وہ تو سرفروشی ومزاحمت اور صبر واستقامت کی پہچان تھا! وہ تو ہمت و جانفشانی اور پیش قدمی اور جانبازی کی شناخت تھا! وہ تو اپنی زندگی کے آخری دم تک ڈٹنے، جمنے اور ثابت قدم رہنے کا آئینہ دار تھا! بلاشبہ وہ امام شہید احمد یاسین سے قائد شہید اسماعیل ہنیہ تک اپنے پیش روؤں کا بہترین جانشین تھا:

''سو جو کچھ انہیں اللہ کی راہ میں پیش آیا، اس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ دبے اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

وہ لوگ حماسی شاعر قیس بن زہیر عبسی کے ان اشعار کا حقیقی مصداق اور پرتو ہیں:

بنو جِنِّيَّة ولدت سيوفاً　　صوارم كلها ذَكَر صنيع

(یہ اس پری کے بیٹے ہیں جس نے ایسی تلواروں کو جنم دیا جو دھار دار ہیں۔ ان میں سے ہر ایک عمدہ لوہے کی صیقل شدہ آزمودہ کار ہے۔)

شہید یحییٰ سنوار کی بہادری نے دنیا کو حیران کردیا ہے اور ان شاء اللہ وہ عنقریب قوموں کے دھارے کو بدل کر رکھ دے گی، ان کا آخری حال یہ ہے کہ ہاتھ کٹا ہوا ہے، پیر زخموں سے شل ہیں اور وہ اپنے صوفے پر شاہوں کی طرح بیٹھے بیٹھے اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنی لاٹھی پھینکتے ہیں، یہاں تک کہ ان کی یہ ادا' ایک کہاوت اور ضرب المثل بن گئی اور دودن میں عالمی پیمانہ پر عام ہوگئی: "رميته بعصى السنوار"

بلاشبہ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی چاہت نہ صرف مسلمانوں کے دلوں میں بلکہ دنیا بھر کے تمام انصاف پسندوں کے دلوں میں ڈال دی ہے۔

حیف صد حیف ہے! ان لوگوں پر جنھوں نے ان کی موت پر خوشیاں منائیں اور تف ہے دستار وقبہ والوں (عربوں) پر!

سلام آپ پر اے ابوابراہیم!

آپ نے ایک منفرد مثال پیش کی ہے، بہادری کی تاریخ میں آپ نے ایک غیر معمولی رول ماڈل پیش کیا ہے اور آپ نے اپنے پختہ ایمان، بے لوث وفاداری، نایاب بہادری اور باعزت موت سے لوگوں کے دلوں میں بڑا مقام بنالیا ہے اور آپ کا چرچہ قیامت تک ہمیشہ رہے گا، گویا میں ان کے والد کو یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں:

سميته يحيى ليحيا......

میں نے اس کا نام یحییٰ رکھا تاکہ وہ زندہ رہے۔

بلاشبہ اللہ کے یہاں جو کچھ ہے وہ بہترین ہے اور پائیدار بھی!

سلام ہو آپ پر اے ابوابراہیم! جس دن کہ آپ کی پیدائش ہوئی، جس دن کہ آپ کی وفات ہوئی اور جس دن کہ آپ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔　　(ترجمانی:-ابوبکر صدیق ندوی)

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

مولانا محمد سلمان بجنوری ندوی

غزہ جنگ کو ایک سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے، ذلیل اور درندہ صفت دشمن یہود نے اپنی درندگی کی تمام حدوں کو پار کر دیا ہے، لیکن اسلام کے سپوتوں، ایمانی غیرت وحمیت کے متوالوں اور شہادت کا شوق رکھنے والے مجاہدین کے پایہ ثبات میں ذرا بھی جنبش دیکھنے میں نہیں آئی، مجاہدین مسلسل اپنے دین اسلام کی سر بلندی اور مسجد اقصیٰ کی حفاظت وصیانت کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے جا رہے ہیں اور دنیا کے سامنے ایسے مجاہدانہ کارہائے نمایاں پیش کر رہے ہیں کہ ایسی مثالیں دنیا نے تاریخ کے صفحات میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ہی سنی اور پڑھی ہوں گی، عقلیں حیران ہیں، ذہن ودماغ کی قوت جواب دے چکی ہے، ایسے خیرہ کر دینے والے واقعات رونما ہو رہے ہیں کہ جو تصورات سے بالاتر ہیں، ایسی بے خوفی، ایسی دلیری و پامردی، ایسی جواں مردی وشجاعت کے جوہر دیکھنے میں آ رہے ہیں کہ دشمن کے دانت کھٹے ہو گئے، دشمن اندرونی طور پر شکست خوردہ ہو چکا ہے، ان کے سوچنے سمجھنے کی طاقت ختم ہوگئی ہے اور دشمن کا جو جانی اور مالی نقصان ہے وہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا، اگر امریکہ کی پشت پناہی نہ ہو تو حماس کے سامنے دشمن ایک دن بھی نہ ٹک سکے۔

شوقِ شہادت، جذبہ جہاد، ایمانی غیرت وحمیت، جنت کی طلب گویا جنت نگاہوں کے سامنے ہو اور بس چند ساعات کی دیری ہو یا گویا فرشتوں کی قطار نظر آ رہی ہو جو ان کو اپنے آغوش میں لینے کے لیے تیار ہوں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

وہ چاہے اسماعیل ہنیہ ہوں یا یحییٰ سنوار ہوں، میدان جنگ میں سب سے آگے رہے، اپنی فوج کے ہتھیار اٹھانے اور میدان جنگ میں کودنے سے پہلے خود میدان میں سر سے کفن باندھ کر آ گئے، ایسا بالکل نہیں ہوا کہ قائد اپنی قیام گاہ پر ہو اور فوج میدان میں ہو، شہید اسماعیل ہنیہ نے اپنے گھر اور خاندان کے تمام ہی افراد کی شہادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر خود جام شہادت نوش کیا اور شہید یحییٰ سنوار نے تو صحابہ کرام کی یاد تازہ کر دی اور ایک ویڈیو میں وہ اپنے کمانڈروں کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کرتے نظر آ رہے ہیں اور زخمی حالت میں ہونے کے باوجود بہادری کے ساتھ ایک اسرائیلی ڈرون پر حملہ کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں نیز بتایا گیا کہ اپنے کٹے بازو کو انہوں نے تار سے باندھ رکھا ہے تاکہ خون بہنا بند ہو جائے، فلسطینی مجاہدین کے جسموں میں ایسی ایمانی روح گردش کر رہی ہے جس کو زیر کرنا آسان تو کیا ہوتا ناممکن نظر آ رہا ہے، اسرائیل امریکہ دونوں مل کر بھی ان مجاہدین کے عزائم اور حوصلوں کو شکست دینے میں اب تک ناکام رہے ہیں اور آج ہی مجاہدین کی جانب سے ایک اعلان شائع ہوا کہ جنگ بندی کی صرف ایک صورت ہے، وہ یہ کہ اسرائیلی فوج مکمل غزہ سے نکل جائے، سبحان اللہ! بے سروسامانی کا عالم ہے، نہتے ہیں، ہتھیاروں کا فقدان ہے، یہ صرف اور صرف ایمانی طاقت وقوت ہے جو ان سے یہ کام کرا رہی ہے۔

اس موقع پر ہم فاتح اندلس طارق بن زیادؒ کے ایمان افروز خطاب سے چند کلمات پیش کرتے ہیں جو انہوں نے آغازِ جنگ سے پہلے اپنے مختصر لشکر کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے تھے:

’’اے بہادرو! میدانِ جنگ سے کوچ کرنے کی اب کوئی صورت نہیں ہے، اس لیے صرف پامردی میں نجات ہے۔ اے مجاہدو! میری تقلید کرو اور سب ایک جسم اور ایک جان بلکہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو جاؤ، میں خود دشمن کا دست بدست مقابلہ کروں گا اور اگر میں مارا جاؤں تو تم ہمت مت ہارنا، میری جگہ کسی اور کو امیر مقرر کر کے جنگ جاری رکھنا، اگر تم نے بزدلی دکھائی تو برباد ہو جاؤ گے اور شکست مقدر بن جائے گی۔ خبردار! ذلت پر راضی نہ ہونا اور اپنے آپ کو کسی قیمت پر بھی دشمن کے حوالے نہ کرنا، امیر المومنین نے تمہیں اس ملک میں اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبہ دین اسلام کے لیے بھیجا ہے۔‘‘

مسئلہ فلسطین کا دینی وتاریخی پس منظر

محمد نجم الدین ندوی

مشرق وسطیٰ میں ملک شام وہ خطہ ارضی ہے جسے پیامبروں کی مقدس سرزمین ہونے کی سعادت حاصل رہی ہے، یہ ملک اب چار حصوں (اردن، لبنان، شام اور فلسطین) میں بٹ کر عالمی منظر نامہ میں موجود ہیں، ماضی سے حال تک کے مسائل ودرپیش چیلنجز کا جائزہ ہمیں اس پہلو کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ عالم عربی کے پورے خطہ کا حساس ترین اور جذباتی مسئلہ سرزمین فلسطین کی آزادی اور مسجد اقصیٰ کی بازیابی ہے، ارض فلسطین کا دینی وتاریخی پس منظر اگر دیکھا جائے تو پہلی عالمی جنگ تک ترکی عثمانی حکومت کا قبضہ رہا، مگر جب اس کے قبضہ سے نکل گیا تو یہاں کی زمینیں خرید خرید کر یہود کی آبادکاری کے منصوبہ کو بروئے کار لایا گیا، پہلی عالمی جنگ کے زمانہ میں مئی ۱۹۱۶ء میں فرانس وبرطانیہ کے مابین سائیکس پیکو معاہدہ میں فلسطین کو یہود کا وطن تسلیم کیا گیا، جب کہ اس سے دسیوں سال پہلے ۱۸۴۵ء میں یہود کو فلسطین میں بسانے کا برطانیہ نے حکومت عثمانی ترکیہ سے مطالبہ کیا تھا، نومبر ۱۹۱۷ء میں وعدۂ بالفور میں ہے کہ فلسطین میں یہودی مملکت کی تاسیس پر حکومت برطانیہ غور کررہی ہے اور ہر ممکنہ کوشش اس کے لیے کرے گی، بعدازاں برطانیہ نے منظّم طور پر سرزمین مقدس کو یہود کے حوالہ کرنا شروع کردیا، ساتھ ہی اہل فلسطین پر عرصہ حیات کو تنگ کیا گیا، مشکلیں کھڑی کی گئیں، معاش وزیست کے وسائل ان کے حق میں کم سے کم کردیئے گئے، یہود نے دوسری عالمی جنگ سے امریکہ کی تائید وحمایت حاصل کی، نومبر ۱۹۴۵ء میں ایک کمیٹی انگلوامریکن تشکیل دی گئی اور امریکہ مسئلہ فلسطین میں کچھ اس طرح داخل ہوگیا، ایک رپورٹ کے مطابق بانوے ہزار یہود نے (۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء تک) فلسطین ہجرت کرکے بس گئے اور ۴۶-۴۸ء میں ہجرت کرنے والے ۶۱ر ہزار کی تعداد میں تھے، سنہ ۱۹۴۸ء میں نام نہاد عالمی ادارہ اقوام متحدہ نے امریکہ کے دباؤ میں آکر فلسطین کو دو حصوں میں کردیا اور یہودیوں کو فلسطین کا ۵۵ر فیصد فلسطین کے مغربی حصہ پر قبضہ مل گیا، ۱۴ر مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ کا کنٹرول فلسطین سے ختم ہوا، برطانی فوج کا انخلا ہوا، اسی کے ساتھ امریکہ وبرطانیہ کی ناجائز اولاد یہودی مملکت اسرائیل عالمی منظر نامہ پر آگئی اور اس کا وجود تسلیم کرلیا گیا، اس طرح آپسی انتشار، جماعتی خلفشار اور اپنوں کی سادگی وغیروں کی عیاری سے فلسطین مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر ایک ذلیل ترین اور مغضوب قوم کے قبضے میں چلا گیا۔

اکتوبر ۱۹۴۸ء کی غزہ کانفرنس میں اہل فلسطین نے عمومی حکومت کا اعلان کیا مگر مسلم ملوک وسلاطین نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے تئیں فلسطین کا نہایت آسانی سے سودا کیا، یہ صرف اپنے ان ماہرین اہل علم وفن کو کچلنے میں اپنی توانائی صرف کرتے ہیں جو حکومت کی غلط پالیسی پر بے لاگ تبصرہ وتجزیہ کرتے ہیں، ۱۹۶۷ء کی تاریخی جنگ اسرائیل کی جیت اور عرب کی شکست پر اختتام کو پہنچی، اس کے ساتھ ہی فلسطین کے شرقی حصہ پر اسرائیل کا کنٹرول ہوگیا اور بیت المقدس پر بھی تسلط قائم ہوگیا اور ناجائز قبضہ کا یہ سلسلہ اب تک ہے۔

سرزمین فلسطین کی دینی پس منظر میں قرآن پاک کی آیتیں اور نبی رحمت علیہ تحیہ وسلام کی حدیثیں اس ارض مقدس کی اہمیت ومقام نمایاں کرتی ہیں، اس سرزمین اور اس کے اطراف کو بابرکت سرزمین ہونے کی شہادت ہے، حدیث میں تین مسجدوں میں شد رحال کی اجازت ہے ان میں فلسطین میں موجود مسجد اقصیٰ (حرم ثالث) ایک ہے، مسجد اقصیٰ کو قبلہ اول ہونے کا شرف حاصل ہے، خانۂ کعبہ کی تحویل قبلہ سے پہلے رسول خدا علیہ السلام اور صحابہ سولہ مہینے مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کرکے نمازیں ادا کرتے رہے۔ عہد خلافت راشدہ میں حضرت عمرؓ نے اس کو فتح کیا، اس وقت ۱۹۴۸ء تک برابر مسلمانوں کے کنٹرول میں رہا، بیچ میں کچھ وقفہ کے لیے عیسائیوں کے قبضہ میں رہا، لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی نے متعدد جنگیں کرکے اس کو فتح کرلیا۔

فلسطین کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی اور عظمت کی پامالی کے پیچھے صہیونی تحریک کی گہری نظریاتی جڑیں کام کررہی ہیں، بایں ہمہ معتوب وذلیل ترین اسرائیلیوں کا فلسطین کو پورے طور پر یہودی

مملکت بنانے کا منصوبہ ہے اور یہاں سے مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی کوشش ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر درندہ صفت اسرائیل غزہ پر بمباری کر رہا ہے، گھروں، عبادت گاہوں، اسکولوں اور اسپتالوں وغیرہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں یہ ملعون قوم غزہ کو تباہ نہ کر رہی ہو، غزہ پٹی پر اہل فلسطین کو کچلنے میں اسرائیل لگا ہوا ہے، ہوائی حملوں کے سلسلے برابر قائم ہیں، برّی فوج معصوم ومظلوم فلسطینیوں پر بموں اور دیگر آلات حرب سے حملے کر کے سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں بے گھر کر چکی ہے، اسرائیلی ٹینک گھروں میں گھس کر ان پر حملے کر رہے ہیں، درندگی اور ظلم وبربریت کی انتہا ہے، حال یہ ہے کہ لوگ بے دردی سے مارے جا رہے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں، ہزاروں ایسے ہیں کہ زندگی وموت کی لڑائی ان میں جاری ہے، قیامت صغریٰ کا منظر پیش کر رہا ہے اور دوسری طرف مٹھی بھر نہتے اہل فلسطین نصرت الٰہی کے بھروسہ پر فلسطین ومسجد اقصیٰ کے تحفظ اور اس کی آزادی وبازیابی کی خاطر لڑائی لڑ رہے ہیں، عالم عربی کے مسلم ممالک جو اسرائیل ویہود کے سیاسی حلیف اور برطانوی وامریکی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے بے غیرت جشن عیش وطرب منا رہے ہیں، خدا محفوظ رکھے ایسے بے غیرتوں سے جنہیں دنیوی زندگی کے نشے نے ان کی آنکھوں میں پردے ڈال دئے ہیں، انہیں کیا معلوم نہیں کہ اس آگ کے شعلے حرم وخیبر تک اٹھنے کے لیے تیار ہیں، اللہ امت مسلمہ بالخصوص اہل فلسطین کی حفاظت کرے جو اسرائیل ویہود اور برطانیہ وامریکہ کی ہمنوائی کرنے والوں سے بے خبر نہیں کہ اپنے یہودی اور برطانی وامریکی آقاؤں کو خوش کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ اہل فلسطین کی مدد فرمائے اور روئے زمین کی ذلیل ترین قوم سے فلسطین ومسجد اقصیٰ کو نجات عطا فرمائے۔

فلسطین لہو میں ڈوبا ہوا ہے، مگر شکوہ بہ لب کوئی نظر نہیں آتا، لیکن وہاں سے آنے والی ہر ایک تصویر اس بات کا ثبوت ہے کہ عالمی برادری بے حس اور بے غیرت اور مسلم ممالک اسرائیلی سفاکی کے در پردہ حمایتی ہیں، اقوام متحدہ کے کھوکھلے بیانات ہیں، پوری دنیا تماشا دیکھ رہی ہے، اس سب کے بیچ فلسطین کی مزاحمتی جماعت (حماس) سر بلند وسرخرو میدان جنگ میں ہے، احساس کمتری، شکست، رنج وغم اور سامان جنگ کی کمی سے ناآشنا منزل کی تلاش میں ایمانی طاقت اور دینی حمیت کے ساتھ مصروف عمل ہے، اپنی تمام طاقتیں اور قوتیں اس میں جھونک رہی ہے، اللہ فتح وظفر سے سرافراز کرے گا، فتح ونصرت کا پرچم اذنِ الٰہی سے لہرائے گا اور اقصیٰ کی پکار پر لبیک کہنے والے اقصیٰ کی بازیابی کی نوید جانفزا ضرور سنائیں گے، فلسطین اور قبلہ اولیٰ پر صلاح الدین ایوبی والقسام کے روحانی فرزند یہودی بربریت اور اسرائیلی جنگ وناجائز قبضہ سے آزاد کر کے فاتحانہ مقدس سرزمین میں داخل ہوں گے، مسلمان اطمینان کی سانس لیں گے اور دنیا سنے اور دیکھے گی اور یہود اور اس کی ذریت اپنی پسپائی اور ذلت کے احساس سے بے موت مر جائیں گے۔

موجودہ صورت حال سے پوری دنیا کے مسلمان شکستہ خاطر ضرور ہیں مگر اللہ کی ذات سے مایوس نہیں اور نہ ضعف وکمتری کا ان میں کوئی احساس ہے، گزشتہ ایک سال سے جاری معرکہ طوفان الاقصیٰ اہل فلسطین کے لیے یہ کوئی معنی نہیں رکھتا کہ انہوں نے کتنوں کو کھودیا ہے، اہل فلسطین کو شکوہ بہ لب کبھی نہیں دیکھا گیا، بلکہ ان کا جذبہ، یقین اور شوق شہادت وفولادی عزائم ہمیں عبرت وبصائر کی آنکھیں کھولتے ہیں۔ اس وقت فلسطین کی مزاحمتی جماعت (حماس) نے پوری حکمت عملی کے ساتھ معرکہ طوفان الاقصیٰ کو جاری رکھا ہوا ہے، اب تک کی خبروں کے مطابق ہزاروں بے گھر، زخمی اور شہید ہو چکے ہیں، صف اول کی قیادت میدان جہد وعمل میں پیش پیش ہے، ان میں ولولہ، جذبہ، شوق شہادت اور جہاد فی سبیل اللہ کی تمنا صرف خیال تک محدود نہیں، وہاں کا ہر فرد بشر جہاد وشہادت کی تمنا سینہ میں لیے جیتا ہے، لیکن اسرائیلی دہشت گردی کا سلسلہ جاری ہے اور عرب کا حال بھی نہایت افسوس ناک ہے، کاش کہ وہ بھی اس حقیقت کو سمجھ لیتے کہ

"فلسطینیوں کی تباہی صرف انہی کی تباہی نہیں، بلکہ اللہ محفوظ رکھے، یہ عربوں کی تباہی کا پہلا قدم ہے جو اسرائیل نے حالات کا جائزہ لے کر اٹھایا ہے اور جس میں بظاہر اب تک کامیاب ہے۔"

وبالِ دوش ہے سرِ جسمِ ناتواں پہ مگر......

مولانا محمد طارق بدایونی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد وارد ہے:

''اہل ایمان میں بہت سے ایسے جیالے تھے جنھوں نے پہلے ہی اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا۔ اللہ کی مخلصانہ اطاعت کی، اس کے راستے میں جہاد کیا اور شدید و سخت حالت میں بھی صبر کیا۔ ان میں سے سبھی نے راہِ خدا میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا اور شہید ہوئے۔ بعض اب بھی دو میں سے ایک خیر کے منتظر ہیں یا تو نصرت و غلبہ ملے گا یا پھر شہادت نصیب میں آئے گی۔ انھوں نے نہ عہد تبدیل کیا اور نہ وعدہ خلافی کی جیسے کہ منافقوں نے کیا؛ بلکہ وہ ڈٹے رہے اور سچے ثابت ہوئے۔''

بندگان خدا اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ ان کے عزم و حوصلے، ہمت و جاں بازی، عہد و پیمان اٹوٹ ہوتے ہیں۔ وہ دین کے سپاہی، اسلام کے علم بردار ہوتے ہیں۔ دین و اسلام کے لیے ان کی جانیں نثار ہوتی ہیں، شعائرِ اسلام کی حفاظت ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ اسلامی کھیپ تیار کرنا اور ہر باطل محاذ پر ڈٹے رہنا ان کا ایمان ہوتا ہے۔ جب کبھی بھی اسلام اور شعائرِ اسلام کو خطرہ لاحق ہوتا ہے تو یہی صفِ اوّل میں نظر آتے ہیں۔ چوں کہ ان کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا اور گناہوں سے بچتے ہوئے اپنے نفس کو طاعتِ الٰہی کی راہ پر چلانا ہوتا ہے اور پھر راہِ خدا میں جو بھی وعدہ کرتے ہیں اُسے وفا کرتے ہیں۔ ان کے دل ایمانی جوش اور وعدۂ نصرت و فتح سے معمور ہوتے ہیں۔ برخلاف کفار و مشرکین و منافقین کے کہ وہ اپنے عہد بھی بھول جاتے اور غایت درجے بزدلی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

کشاف میں یہ ذکر ملتا ہے کہ بعض صحابہ کرام (حضرت عثمان بن عفان، حضرت سعید بن زید، حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم وغیرہ) نے یہ نذر مانی تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی معرکہ میں شریک ہوں گے تو ثابت قدمی کے ساتھ اس وقت تک قتال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ شہادت کا مرتبہ نہ پالیں۔

یہ تھے وہ مردانِ حق؛ جو کبھی منھ نہیں موڑتے گرچہ کام ہی کیوں نہ آجائیں۔ ایسی دین کی خدمت کرنے والے ہر زمانے میں رہے ہیں۔ آج کل سرزمین انبیاء فلسطین میں یہی مردانِ حق پوری ملت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں، گویا وہ اس شعر کا مصداق ہوں:

وبالِ دوش ہے سرِ جسمِ ناتواں پہ مگر
لگا رکھا ہے تیرے خنجر و سناں کے لیے

سلام پیش ہے غزہ کے اُن مزاحمتی ستاروں کو جو برسہا برس ایسی خوف ناک جیلوں میں محصور رہے جن کا ذکر ہی روحوں کو تڑپا دینے کے لیے کافی ہے۔ لیکن ان کے یقین محکم، عملِ پیہم، عزم و حوصلوں اور جذبہ شہادت پر حرف نہ آسکا، عزیز و اقرباء، والدین، اولاد سے دور ہو جانے پر ضرور دل مسوس کر رہ گئے؛ مگر دعاؤں میں یاد کرنا نہ بھولے اور وہی جاتے جاتے عزم و حوصلے کو بڑھانے کا کام کر گئے، ہنستے مسکراتے اور دشمن خدا کا منھ چڑاتے ہوئے اپنی آخری آرام گاہ تک پُرسکون ہو کر جا پہنچے۔ ان کے عزم نے تمام آہنی دیواروں اور خاردار تاروں کو توڑ دیا۔ اپنے صالحین، نیکوکار، اللہ کے لیے جینے اور مرنے والے آباء و اجداد کے کیے ہوئے وعدہ پر ڈٹے رہے، ایسے کہ مسجدِ اقصیٰ کی حفاظت کی کوشش میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک لٹا دیا۔ قائدِ اعظم یحییٰ سنوار کی جرأت و ہمت استعارہ بن گئی، ان کے بے جان ہاتھوں سے ایک معمولی چھڑی نے خیمہ کفار کی ظاہر و باطن شیرازہ بندی کو منتشر کر دیا۔ یہ عظیم مجاہدین غاصبوں سے مسجدِ اقصیٰ کی آزادی اور اپنے گھروں، زمینوں کو واپس لینے کے لیے تمام کوششیں کر رہے ہیں جو بلاشبہ راہِ خدا میں عین جہاد ہے۔

منزل کی جستجو ہے تو جاری رہے سفر

محمد ارمغان بدایونی ندوی

غزہ اسرائیل جنگ کو اب ایک سال سے زیادہ ہو چکا، اگر دیکھا جائے تو دنیا کی تاریخ میں دو عظیم عالمی جنگوں کے نقصانات کا جو ریکارڈ درج ہے، اس جنگ کے انسانیت سوز مناظر کے سامنے وہ ریکارڈ بھی کم نظر آتا ہے۔ اس جنگ کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک طرف ایسا دشمن ہے جس کے سینہ میں دل ہے مگر وہ پتھر کی سِل ہے، نہ اس کے اندر نرمی اور لچک ہے اور نہ ہی انسانیت کا احترام، وہ انسانی ہاتھوں سے ڈھالے ہوئے ہتھیاروں کے ذریعہ انسانوں ہی کی تباہی و بربادی کے درپے ہے۔ وہ طاقت کے نشے میں چور ہے اور سپر پاور طاقتوں کی پشت پناہی کی بنا پر مغرور ہے۔ دوسری طرف اس کا مقابل بلاشبہ ظاہری طور پر جدید وسائل سے تہی دامن ہے، نہ اس کے پاس اشیائے خوردنی کی فراوانی ہے اور نہ ہی ضروری ادویات زندگی کی بہتات ہے، نہ رہنے کو مکان ہے، نہ علاج کے لیے اسپتال، نہ کچھ خریدنے کے لیے بازار ہے اور نہ منڈی، لیکن اس کے پاس دو ایسے عظیم شہ پر ہیں جن کی بنیاد پر وہ مستقل دشمن سے برسرِ پیکار ہے اور ایک برس سے طویل عرصہ پر محیط اس جنگ میں اب تک اس کے پایہ ثبات میں ذرا بھی لغزش واقع نہیں ہوئی ہے۔ وہ دو عظیم طاقتیں ''ایمان'' اور ''اخلاق'' کی طاقتیں ہیں جو اپنی اثر انگیزی میں ایٹمی طاقتوں سے بھی بڑھ کر ہیں، سچی بات یہ ہے کہ یہ دونوں وہ قیمتی جوہر ہیں جن کے ذریعہ سے ہمیشہ تاریخ میں خارق عادت واقعات پیش آتے رہے ہیں، وقت کے بڑے بڑے جابر اور فرعون جھکنے پر مجبور ہوئے ہیں اور فتح و نصرت کی ایک تاریخ رقم ہوئی ہے۔

بلاشبہ یہ غزہ کے جاں بازوں کے ایمان ہی کا کرشمہ ہے کہ وہ دشمن کے ڈرون حملوں، راکٹوں، میزائلوں اور بمباری وغیرہ کے باوجود اطمینان سے زندگی بسر کر رہے ہیں، نہ ان کے چہرے پر خوف کے آثار ہیں اور نہ ہی ان کی ہمت پست ہوئی ہے، وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس عزم سے میدان جنگ میں برسرِ پیکار ہیں کہ فتح انہی کی ہوگی اور اگر اس راہ میں موت آئی تو یقیناً ان کا یہ خون رائیگاں نہیں جائے گا، علاوہ ازیں اس میں شبہ نہیں کہ اس کا بدلہ صرف جنت ہے۔

غزہ کے غیور مسلمانوں کی اخلاقی تصویر بھی انتہائی شفاف ہے، اس سے بڑھ کر اخلاقی مثال کیا ہو سکتی ہے کہ ایک طرف ان کا سب کچھ برباد ہو گیا، لیکن اس کے باوجود اب تک انہوں نے اپنے حملوں اور جھڑپوں میں دشمن کی عورتوں، بچوں اور معذوروں کو نشانہ نہیں بنایا اور نہ ہی ان کے قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا بلکہ ایسی صورت میں بھی نبی ﷺ کی اخلاقی تعلیمات انہیں سب سے بڑھ کر عزیز ہیں۔

بلاشبہ یہ ایمان و اخلاق ہی کا نتیجہ ہے کہ غزہ کے مظلوموں کے تقریباً اسّی فیصد سے زیادہ مکانات کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے، اسپتالوں میں علاج تو دور کی بات، ان کا نام و نشان بھی ملنا مشکل ہے، پانی کی ایک ایک بوند کے لیے وہ ترس رہے ہیں، لیکن ان سب اذیتوں اور کلفتوں کے باوجود وہ خوش ہیں اور اپنے جرأت مند قائدین کے فیصلوں پر راضی ہیں، نہ وہاں اپنے مجاہدین سے کوئی برہمی کا تصور ہے، نہ ہی اپنے اعزاء و اقرباء کی شہادت کے ماتم کا منظر اور نہ ہی اپنا کل متاعِ حیات لٹ جانے پر ذرہ برابر افسوس!

لیکن اسی کے بالمقابل ظالم ملک اسرائیل، وہاں کے حکمراں اور عوام ہیں جو ظلم و ستم کی آخری حدیں پار کرنے کے باوجود بھی زندگی کے حقیقی لطف سے محروم ہے۔ اگر دیکھا جائے تو غزہ کی تباہی کے مقابلہ میں اسرائیل کے اندر ہونے والی تباہی کا تناسب کچھ بھی نہیں، مگر اس کے باوجود یہاں کے لوگوں کے اوپر رعب و ہیبت طاری ہے۔ ظاہری طور پر وہ تمام حفاظتی تدابیر سے مالا مال ہیں اور

فوجی برتری بھی انہیں حاصل ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے عوام کو اپنے لیڈروں اور فوج پر ذرا اعتماد نہیں ہے اور نہ ہی وہ ان کے فیصلوں پر مطمئن ہیں، ان کی بزدلی کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنے چند سو کی موت اور چند سو کی اسیری پر آنسو بہاتے اور احتجاج کرتے نہیں تھکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ انہیں اپنی زندگی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے اور وہ موت سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں، اسی لیے وہ کھل کر اپنے سربراہان کے سامنے غم وغصہ کا آئے دن اظہار کرتے ہیں اور جنگ بندی کا پرزور مطالبہ کرتے ہیں، مگر المیہ یہ ہے کہ عالمی بساط کے سیاسی شاطر ایسا کبھی نہ چاہیں گے کہ یہ جنگ بند ہو، ان کی آمدنی کے ذرائع ٹھپ پڑیں اور مسلمانوں کی تباہی کا سلسلہ موقوف ہو۔

دوسری طرف غزہ کے جیالوں نے بھی یہ قسم کھالی ہے کہ خواہ پورا غزہ کھنڈر میں تبدیل ہوجائے، خواہ ان کے سب سورما اور ان کا ہر ہر شہری اس راہِ حق میں شہید ہوجائے لیکن وہ اپنے خون کے آخری قطرے تک قبلہ اول اور سرزمین انبیاء کی حفاظت کے لیے سینہ سپر رہیں گے۔ اب انہیں جنگ بندی صرف ایک ہی شرط پر منظور ہے اور وہ ہے ارض مقدس کی حدود سے یہودیوں کا مکمل انخلاء!

اہل غزہ کا یہی وہ جذبہ دروں اور ہمالیائی عزم ہے جس نے عالمی طاقتوں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ اب انہیں اپنے ناپاک عزائم میں کامیابی ملنا مشکل ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر غزہ کے یہ کوہِ استقامت اسی طرح حائل رہے تو پھر شاید **Greater Israel** کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر ہی نہ ہوسکے۔

اس میں شبہ نہیں کہ غزہ کے باہمت وباحوصلہ اہل ایمان ایک تاریخ رقم کررہے ہیں اور پوری امت مسلمہ کی جانب سے فرض کفایہ کو بحسن وخوبی ادا کررہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس وقت پوری امت مسلمہ کو ایک ایسے دوراہے پر لاکر کھڑا کردیا ہے، جس کا ایک راستہ اس امت کے عروج کی منزلیں طے کرتا ہے اور دوسرا راستہ اس کو زوال وادبار کی عمیق کھائیوں میں لے جاتا ہے۔ مسئلہ صرف خلیجی ممالک یا حجاز مقدس کا نہیں بلکہ اگر دیکھا جائے تو پوری امت مسلمہ کا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مسلم ممالک غفلت کا شکار ہیں، عیش وتنعم میں مست ہیں اور اپنے فرض منصبی سے غافل ہیں، نہ انہیں حرمین شریفین کے تقدس اور اس کی حفاظت کا خیال ہے، نہ ہی امت مسلمہ کی زبوں حالی پر افسوس اور نہ ہی اپنے وقار ومعیار اور مستقبل کے لیے فکرمندی کا احساس!

لیکن اگر غور کیا جائے تو عمومی طور پر اس وقت پوری امت کی یہی صورت حال ہے، اس وقت ہر ایک اپنی دھن میں مست ہے، ہر ایک کے اوپر دنیا طلبی کا دیو سوار ہے اور ہر ایک اپنے حصار میں دادِ عیش دے رہا ہے۔ شاید ہم یہ سمجھتے ہیں کہ غزہ کے لیے آواز اٹھانے کا فرض صرف عربوں کا ہے، شاید ہم یہ سمجھتے ہیں کہ غزہ کے لیے اپنی زندگی کی تن آسانیوں کو قربان کرنے کا حق صرف عالم اسلام کا ہے، شاید ہم یہ سمجھتے ہیں کہ غزہ کے لیے اپنی بے چینی کے اظہار کا طریقہ صرف عالمی طاقتوں اور عربوں کو برا بھلا کہنے میں ہے۔

لیکن کیا کبھی ہمارے طرزِ زندگی سے یہ اظہار ہوا کہ ہمیں بھی غزہ کے مظلوموں کا درد ہے؟ کیا کبھی ہماری محفلوں میں اس کسک کو محسوس کیا گیا؟ کیا کبھی ہماری داد ودہش میں کوئی کمی واقع ہوئی؟ کیا کبھی ہم نے خاک وخون کے اس منظر کو دیکھ کر اپنی زندگی کو تبدیل کرنے کی کوشش کی؟ کیا ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لیے درد وکرب سے ڈوبی ہوئی الحاح وزاری کا اہتمام کیا؟ حق تو یہ تھا کہ دنیا کے ہر خطہ میں جہاں مسلمان بستے ہیں، ان کے چہروں پر ایک ایسی کیفیت رونما ہونی چاہیے تھی جس کو دیکھ کر ہر انسان یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا کہ ان کے نزدیک قبلہ اول، حرمین شریفین اور اپنے مؤمن بھائیوں کی جان کی قیمت ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ یاد رکھیں! اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ غزہ کی تباہی صرف غزہ یا عربوں کی تباہی ہے تو ہم بہت بڑے دھوکہ میں ہے، واقعہ یہ ہے کہ انہی کی قسمت سے ہماری قسمت وابستہ ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس آرہے تھے تو آپؐ نے معذورین کے متعلق ارشاد فرمایا کہ انہیں بھی اپنی نیک نیتی اور جذبہ صادق کی بنیاد پر مجاہدین کے بقدر اجر عطا ہوا ہے۔ کیا بعید ہے کہ اگر ہم بھی یہی سوزِ دروں پیدا کرلیں تو ہمارا شمار بھی غزہ کے انہی جانبازوں میں ہو۔ وما ذلك علىٰ الله بعزيز!

کیا حماس کا اقدام خودکشی کے مرادف تھا؟

محمد نفیس خاں ندوی

اس بات سے انکار نہیں کہ بغیر تیاری اور بغیر جنگی وسائل کے میدانِ جنگ میں کودنا خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے لیکن! ......لیکن دل پر ہاتھ رکھ کر بتانا کہ کیا حماس کسی محاذ پر کمزور پڑے ہیں؟

کیا حماس نے کسی موقع پر راہِ فرار اختیار کی ہے؟

کیا حماس کے قائدین نرم بستروں اور آرام دہ کمروں میں بیٹھے رہے؟

کیا حماس قیادت کا اپنا خاندان جنگ سے دور عیش دیتا رہا؟

وسائل سے زیادہ ہمارے لیے ایمان کی تیاری اہمیت رکھتی ہے، یہی وہ ایمان ہے جس کے دم پر مٹھی بھر مجاہدین نے بارہا لشکر جرار کو شکست دی تھی۔ یہی وہ ایمان ہے جس کے غلبہ کی گارنٹی قرآن مجید نے لی ہے۔

یاد کیجیے عرب اسرائیل جنگ کو، عربوں کے پاس نہ وسائل کی کمی تھی نہ فوجی لشکر کی، اس وقت اسرائیل کو یہ خوف تھا کہ اس جنگ کے ساتھ ہی اس کا وجود بھی سمیٹ دیا جائے گا، لیکن عرب فوج کو جس شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس نے واضح کردیا کہ معاملہ صرف آلات ووسائل کا نہیں؛ معاملہ ایمان کی کمزوری کا تھا۔

ذرا سوچیے! اسرائیل جیسا پاورفل ملک جس کا دعویٰ تھا کہ ایک ہفتہ کے اندر وہ حماس کو نیست ونابود کردے گا، اس کے ڈیفنس سسٹم کی مثال دی جاتی تھی، لیکن حماس کے طوفان کے سامنے اس کا سارا نظام دفاع دھرا رہ گیا، نہ اس کے وسائل کام آئے، نہ اس کی انٹلی جینس کو ہوا لگی۔

ایک سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا لیکن حماس نے آج تک گھٹنے نہیں ٹیکے، کسی بھی مقام پر اس کے پایہ ثبات میں لغزش نہیں، خوف و ہراس سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں جبکہ اسرائیل ہر ہر قدم پر لڑکھڑا رہا ہے، اس کے فوجی ڈائپر پہننے پر مجبور ہیں، خواف و ہراس کے عالم میں اپنے ہی ساتھیوں پر گولیاں برسا رہے ہیں، ذہنی توازن بگڑ چکا ہے اور جنگ سے بھاگنے کے لیے جھوٹے بہانے پیش کیے جارہے ہیں۔

ایک طرف اگر حماس کا ایک قائد شہید ہوا تو دوسرے نے اس کی جگہ لے لی، دوسرا شہید ہوا تو تیسرا سینہ سپر ہو چکا ہے اور اگر تیسرے کی قسمت میں بھی شہادت ہوگی تو ان شاء اللہ چوتھا قائد مزید جوش وطاقت کے ساتھ سامنے آئے گا، جبکہ دوسری طرف اسرائیل ہر آن اس جنگ سے فرار چاہتا ہے، وہ خود کو مضبوط دکھانے کے لیے سوانگ رچتا ہے، دنیا بھر سے طاقت کی بھیک مانگتا ہے۔

ذرا سیاست کے ماہرین سے پوچھو، جنگوں کی تاریخ کے صفحات کو پلٹ کر دیکھو، میدان کارزار کے سورماؤں سے دریافت کرو، تو جانو گے کہ وسائل صرف وسائل ہیں اور وسائل کی ہی حد تک ہیں، وہ حقیقت نہیں ہیں، حقیقی تیاری وہ جذبہ صادق ہے جو میدان جنگ میں دل کو تھامے رکھتا ہے، وہ فولادی جوش ہے جو قدموں کو پھسلنے سے روکتا ہے، سینہ میں جلنے والی وہ آگ ہے جو دشمن کے نخل تمنا کو خاکستر کرنے کے لیے بے قرار رہتی ہے۔

حماس کی جنگی تیاری نے ایک تاریخ رقم کی ہے، ایک ایسی مثال پیش کی ہے جس سے تاریخ انسانیت کا دامن بالکل کورا ہے۔

کیا آپ نے کبھی کسی ایسی جنگ کے بارے میں سنا ہے جس کی تیاری پورے ملک نے ایک ساتھ کی ہو؟

کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ جنگ کی تباہی کو دیکھ کر جوش مقابلہ بڑھ گیا ہو؟

کیا کبھی سنا ہے کہ کوئی ماں اپنی اولاد کو خود تیار کر کے جنگ کے میدان تک لے جاتی ہے؟

کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ لاشوں کے ڈھیر اور مظلوموں کے بہتے

ہوئے خون کو دیکھ کر رگوں میں خون کی رفتار تیز ہوگئی ہو اور رقت میں ابال آنے لگا ہو؟

جنگوں کی تاریخ میں فخریہ طور پر لکھا جائے گا کہ اس جنگ کے لیے حماس نے جو تیاری کی اس نے عقلوں کو شسدر کر دیا، اندازوں کو غلط ثابت کر دیا اور ایک ایسی مثال پیش کر دی جس نے ہزار بار سوچنے پر مجبور کر دیا...!!

یقیناً غزہ تباہ ہو چکا ہے، یقیناً پورا غزہ کھنڈر میں تبدیل ہو چکا ہے، یقیناً لاکھوں جانیں کام آچکی ہیں، یقیناً حماس کے بہت سے مجاہدین جام شہادت نوش کر چکے ہیں، لیکن!

...لیکن ایک سال کے بعد بھی کیا اسرائیل نے اپنا ہدف پورا کر لیا؟

کیا اسرائیل حماس کو اپنی شرطوں پر جھکا سکا؟

کیا اسرائیل نے اپنے قیدیوں کو رہا کرا لیا؟

آج غزہ میں بارود کے بادل چھائے ہیں، گولیوں اور توپوں سے پوری فضا زہر آلود ہے، چیخوں اور سسکیوں میں دم گھٹ رہا ہے، کھانے پینے کی قلت ہے، دوا دارو ناپید ہے، بنیادی ضرورتیں بھی فراہم نہیں لیکن!

......لیکن کیا کسی بھی باشندے نے واویلا مچایا؟

کیا کسی ایک فرد نے حماس کے اقدام کو غلط ٹھہرایا؟

کیا کسی نے اپنی قیادت کو لعن طعن کی؟

کیا کسی کی زبان سے نازیبا الفاظ ادا ہوئے؟

کیا کسی نے جھکنے کی، ہتھیار ڈالنے کی، مصالحت کرنے کی، اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات کہی...؟

تعجب صد تعجب! جن کے گھر تباہ ہوگئے، جن کا ملک اجڑ گیا، جن کے عزیز شہید ہوگئے، جن کے بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوگئیں، ان کی زبان پر ایک حرف شکایت نہیں، وہ اپنی قیادت سے خوش، حماس کے اقدام سے مطمئن اور اس کی تیاری پر پرسکون ہیں اور ہم ہزاروں میل دور اپنے عافیت کدوں میں بیٹھ کر یہ فرمان جاری کر رہے ہیں کہ حماس نے خود کو ہلاکت میں ڈالا ہے..!!

غزہ تباہ ہوگیا لیکن وہاں ایمان کی باد بہاری ہے، اللہ اکبر کی بلند صدائیں ہیں، قرآن کی تلاوت اور نمازوں کا اہتمام ہے، وہاں گناہ کبیرہ نہیں ہوتے، وہاں شراب نہیں پی جاتی، وہاں زنا نہیں کیا جاتا، وہاں چوری نہیں کی جاتی، وہاں گالیاں نہیں دی جاتی، وہاں دھوکہ اور غداری نہیں پائی جاتی، وہاں صرف شہادت کی باتیں اور مسجد اقصیٰ کی بازیابی کی دعائیں ہیں، وہاں ایمان پر خاتمہ کی فکر ہے اور خود کو شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بنانے کی جدوجہد ہے...

کیا حماس کی یہ تیاری کافی نہیں؟؟؟

دوسری طرف اسرائیل ہے، نہ وسائل کی کمی ہے نہ آلات حرب کی کوئی فکر، پوری مغربی دنیا اس کے دوش بدوش ہے اور پورا عالم عرب اس کا پشت پناہ ہے، لیکن اسرائیل کی سڑکوں پر ہو کا عالم ہے، دہشت کی وجہ سے نیند نہیں آتی، گولیاں نہ کھائیں تو رات کاٹنا مشکل ہے، خطرہ کا سائرن اس قدر بجتا ہے کہ وہ نفسیاتی مریض ہو چکے ہیں، ان کا زیادہ تر وقت بنکروں میں گذر رہا ہے اور مستقبل کو لے کر وہ سخت مایوسی اور اندھیارے میں ڈوبے ہیں...

حماس کا ایک بنیادی ہدف یہ تھا کہ دنیا یہ جان لے کہ فلسطین کا مسئلہ قومی یا علاقائی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ عالمی مسئلہ ہے، پوری انسانیت کا مسئلہ ہے اور اسرائیل صرف فلسطینیوں کا مجرم نہیں ہے بلکہ وہ پوری انسانیت کا مجرم ہے....

آج دنیا بھر میں اسرائیل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے، اس کے پروڈکٹس کا بائیکاٹ کیا جا رہا ہے، اس کو ظالم و عالمی دہشت گرد گردانا جا رہا ہے......جبکہ پوری دنیا میں حماس کے لیے ہمدردیاں پیش کی جا رہی ہیں، اس کی حمایت میں ریلیاں نکالی جا رہی ہیں، بیانات جاری ہو رہے ہیں اور پوری دنیا اس کو عالمی مسئلہ کے طور پر دیکھ رہی ہے۔

خدا کی قسم! حماس اپنے مقصد میں کامیاب!

اپنے مشن میں کامیاب!

اپنی تیاریوں میں کامیاب اور اسرائیل ہر ہر محاذ پر ذلیل و ناکام!

فیصلہ کن محاذ

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

’’حال ہی میں عالمی کورٹ آف جسٹس نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ اسرائیل ایک ناجائز ریاست ہے، اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی قراردادیں بھی آچکی ہیں، لیکن اس کے باوجود اسرائیل کی دھاندلی جاری ہے اور وہ ہر روز غزہ کے اسپتالوں، اسکولوں، عورتوں اور بچوں پر بم باری کر رہا ہے اور مسلسل ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اسلامی ممالک کی ایک زنجیر ہے، لیکن وہ سب بڑی خاموشی کے ساتھ یہ تماشہ دیکھ رہے ہیں اور ان کی نگاہوں کے سامنے عورتوں‘ بچوں اور نوزائیدہ بچوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، حیرت ہے کہ کسی کے اندر عملی طور پر اس ظلم و جبر کے خلاف اقدام کرنے کی جرأت نہیں ہے، حتیٰ کہ زبانی طور پر مذمت کرنے کی بھی انہیں توفیق نہیں اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ سب ذہنی طور پر غلام ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر آپ غور کریں تو مسلمان بحیثیت کمیونٹی کبھی بھی اتنا دولت منداور اتنا باوسیلہ نہیں رہا جتنا کہ آج ہے۔ تیل کی دولت ان کے پاس ہے، گیس کی دولت ان کے پاس ہے اور دنیا کی ہر دولت ان کے پاس ہے، باسفورس ان کے پاس ہے، خلیج عدن ان کے پاس ہے، جبل الطارق ان کے پاس ہے، آبنائے ہرمزان کے پاس ہے، دنیا کی تمام اہم شاہ راہیں اور ناکے جن کے ذریعہ دنیا کا ناطقہ بند کیا جا سکتا ہے‘ وہ سب ان کے پاس ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس کے باوجود وہ غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اسی غلامی کا نتیجہ ہے کہ چونکہ اسرائیل کو امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے، اس لیے اس کے خلاف کوئی ایک جملہ بولنا بھی ان کے لیے قیامت ہو گیا ہے، چہ جائیکہ وہ غزہ کے مظلوموں کی مدد کریں۔ بلکہ ظلم کی انتہاء تو یہ ہے کہ مسلم ممالک میں ان لوگوں کو حراست میں لیا جا رہا ہے جو فلسطین کی آزادی کا نعرہ لگاتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب مغرب کی اسی غلامی کا نتیجہ ہے جس نے ہمیں دھوکہ دے کر تقسیم کر دیا ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ خلافت عثمانیہ کی اپنی بعض کمزوریاں بھی تھیں، لیکن برطانیہ نے اس کے خلاف یہ گہری سازش کی کہ اس نے عرب علماء کو بہکایا اور یہ باور کرایا کہ اسلام کے ٹھیکیدار آپ ہیں‘ لہٰذا خلافت کے مستحق آپ ہیں، چنانچہ اس وقت کے بڑے بڑے علماء اس دھوکہ میں آگئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اگر ہم نے خلافت عثمانیہ سے علیحدگی اختیار کی تو برطانیہ ہمیں ایک الگ خلافت قائم کر کے دے گا، لیکن جب دوسری جنگ عظیم ہوئی اور اس میں برطانیہ کو غلبہ حاصل ہوا تو اس نے وعدہ خلافی کی اور سب کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا اور ان سب کو اپنا زیردست بھی بنا لیا۔

میرا دل یہ کہتا ہے کہ اس وقت فلسطین کا یہ ایک ایسا تاریخی لمحہ ہے جس کو انگریزی زبان میں ’’Now or Never‘‘ کہا جاتا ہے، اگر امت مسلمہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا لیا تو وہ ہمیشہ کے لیے غلامی کا جوا اتار سکتی ہے اور غلامی کا خاتمہ ممکن ہے، ورنہ یاد رہے کہ اگر اسرائیل اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو گیا تو پھر Greater Israel کا منصوبہ پورا ہو کر رہے گا اور اس وقت تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو وہ ہضم کر جائے گا، اس لیے جو ریاستیں اس وقت اپنی عیاشیوں میں مگن ہیں‘ ان کو ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔‘‘

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 16 ⚜ November 2024 ⚜ Issue: 11

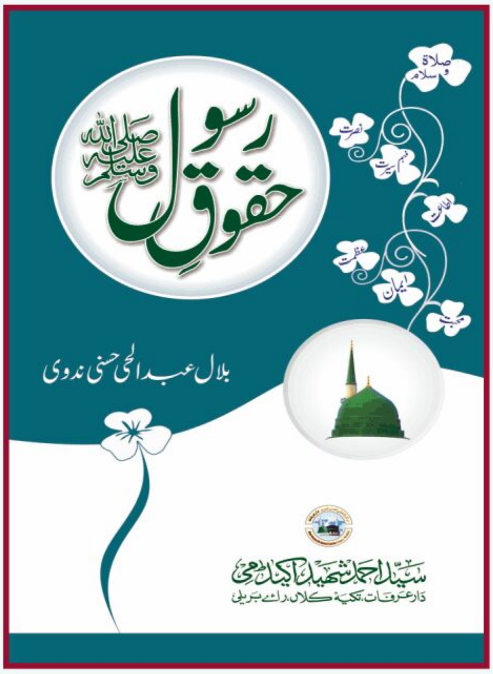

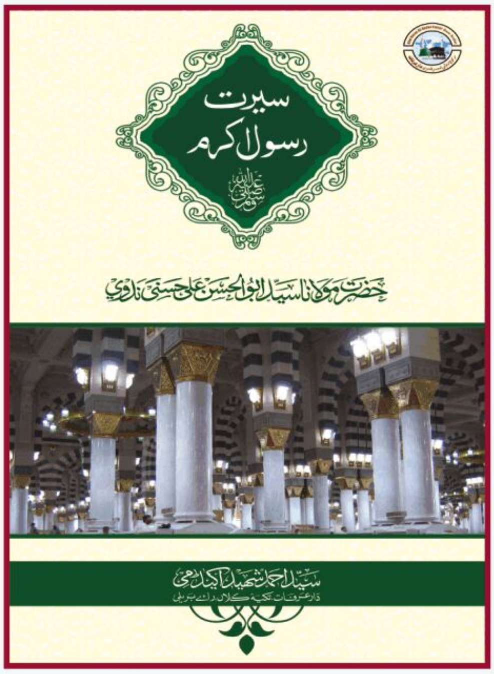

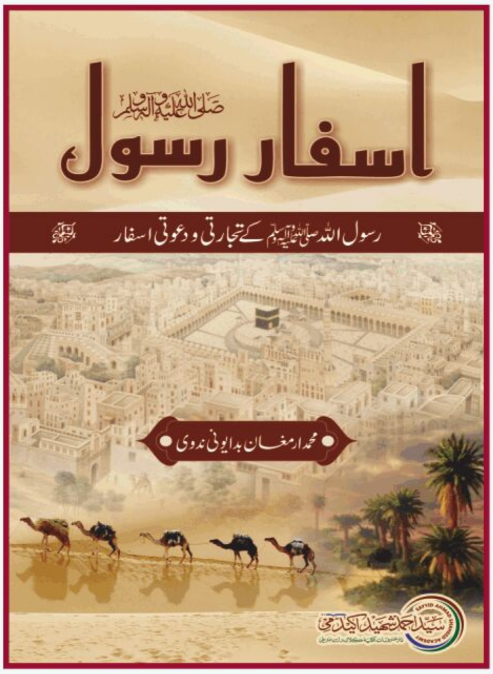

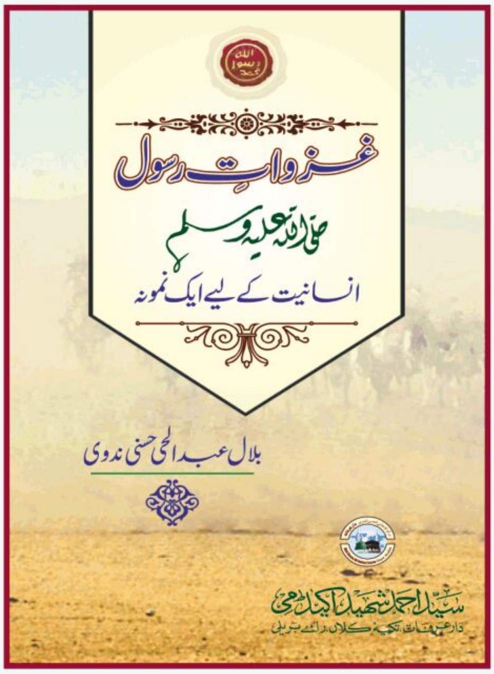

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)